داعیٔ رجوع الی القرآن، بانیٔ تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیانُ القُرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

رمضان المبارک میں طبع جدید پیش خدمت ہے

سات حصوں کے بجائے اب چار جلدوں میں

- خوبصورت قرآنی رسم الخط
- حتی الامکان اغلاط سے مبرّا
- عمدہ سفید کاغذ
- معیاری طباعت
- دیدہ زیب ٹائٹل
- مضبوط ریگزین جلد
- متعدد ظاہری و معنوی خوبیوں کا مرقع
- بڑے سائز کے 2560 صفحات

رمضان المبارک میں خصوصی رعایتی قیمت 2400 روپے
اندرون ملک ڈاک خرچ 500 روپے

قیمت (مکمل سیٹ) 4800/- روپے

مکتبہ خُدّام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ

مئی ۲۰۲۱ء

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات

تنظیمِ اسلامی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

روحِ اعتکاف

اور

عظمتِ لیلۃ القدر

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 70

شمارہ : 5

رمضان المبارک 1442ھ

مئی 2021ء

فی شمارہ : 40 روپے

سالانہ زرِتعاون: 400 روپے

مُدیر: حافظ عاکف سعید

مجلس ادارت: ایوب بیگ مرزا، خورشید انجم

نائب مُدیر: حافظ خالد محمود خضر

ادارتی مُعاوِن: حافظ محمد زاہد، محمد خلیق

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700، فون: 3-35869501

فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

رابطہ برائے ادارتی امور: (042)38939321

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: **www.tanzeem.org**

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: "دارالاسلام" ملتان روڈ چوہنگ لاہور

(پوسٹل کوڈ 53800) فون: 78-35473375(042)

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

عرضِ احوال — 5

سازشی بیانیہ: افواہ سازی اور ادراکِ حقیقت — ایوب بیگ مرزا

بیانُ القرآن — 11

سورۃ النّجم (مکمل) — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

شَھْرٌ عَظِیْمٌ شَھْرٌ مُّبَارَکٌ — 33

روحِ اعتکاف اور عظمت لیلۃ القدر — ڈاکٹر اسرار احمدؒ

رمضان المبارک اور اُس کی خصوصیات — مولانا عبدالغفار حسنؒ — 50

تعلق مع اللہ: رمضان کے تناظر میں — عتیق الرحمٰن صدیقی — 57

مغفرت اور اس کے لوازم — مسز بینا حسین خالدی — 65

نقوشِ سیرت — 71

غزوۂ بدر: یوم الفرقان — احمد علی محمودی

تہذیبِ اطفال — 77

تربیتِ اولاد: کیوں اور کیسے؟ — مولانا ناز بیر احمد صدیقی

عکسِ حیات — 84

حیات و خدمات ڈاکٹر اسرار احمدؒ:

ماہ و سال کے آئینے میں — عبدالمتین مجاہد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سازشی بیانیہ: افواہ سازی اور ادراکِ حقیقت

''کانسپریسی تھیوری'' کا اردو ترجمہ شاید ''سازشی بیانیہ'' سے بہتر نہیں ہوسکتا۔ درحقیقت ایک زبان کے کسی لفظ کا ترجمہ جب دوسری زبان میں کیا جاتا ہے تو بہت مشکل ہوتا ہے کہ مطلب بلکہ مفہوم بھی بالکل ایک جیسا ہو۔ سازشی بیانیہ مکمل طور پر منفی پہلو کو اجاگر کرتا ہے جب کہ کانسپریسی تھیوری میں کچھ مثبت اشارے بھی موجود ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کوئی حادثہ یا واقعہ رونما ہوتا ہے تو غالب قوت اپنا بیانیہ پُرزور انداز میں سامنے لاتی ہے۔ دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ اس کا خیر مقدم کرتے ہیں' اسے تسلیم کرتے ہیں اور اسے آگے بڑھاتے ہیں۔ اس بیانیہ میں ایسی چمک پیدا کر دی جاتی ہے کہ اچھی بھلی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ انہیں معاملات کچھ دھندلے بھی نظر آئیں تو وہ حقیقت کا اقرار کرنے کی بجائے طاقت کی آواز میں آواز ملاتے ہیں' کیونکہ اس طاقت سے ان کے مفادات وابستہ ہوتے ہیں' اور جو مغلوب قوم یا اُمّت ہوتی ہے ان کے پاس سازشی بیانیہ سے دل بہلانے کے سوا کوئی آپشن نہیں ہوتا۔

البتہ کانسپریسی تھیوریوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ جن کی بنیاد کچھ منطقی دلائل اور شواہد پر ہوتی ہے جب کہ دوسری قسم بے بنیاد اور گھڑی ہوئی باتوں پر ہوتی ہے جنہیں ہم بے پر کی اڑانا کہتے ہیں۔

موجودہ دور میں پہلی قسم کی کانسپریسی تھیوری کی بہترین مثال نائن الیون ہے۔ امریکہ کے شہر نیویارک میں دو جہاز ٹوئن ٹاورز سے ٹکرائے اور وہ زمین بوس ہو گئے۔ کئی ہزار افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ امریکہ نے زوردار اور پُراعتماد انداز میں ایک بیانیہ قائم کیا کہ مسلمان دہشت گردوں نے یہ جہاز ٹوئن ٹاورز سے ٹکرا کر خوفناک اور بدترین دہشت گردی کی ہے اور اسے امریکہ کی سلامتی پر کھلا حملہ بھی قرار دے دیا۔ اور دنیا کو یہ چیلنج دیا کہ یا تو ہمارے بیانیے کو تسلیم کر کے ''دہشت گردی'' کی جنگ میں ہمارے دست و بازو بن جاؤ' وگرنہ تم صفِ مخالف میں ہو

اور ہمارے دشمن ہو! (You are with us or against us!)

دنیا کے اکثر ممالک نے امریکہ کے بیانیہ کو تسلیم کر کے امریکہ کو عملی تعاون کا یقین دلایا۔ اس بیانیہ کی پشت پر اتنی قوت تھی کہ کچھ عرصہ تو دنیا میں سناٹا چھایا رہا۔ الزام چونکہ مسلمانوں پر لگا تھا اس لیے مسلمان حکمرانوں کی تو ٹانگیں کانپنے لگیں' البتہ عوام میں کانسپریسی تھیوریاں گردش کرنے لگیں اور بہت سے سوال اس بیانیے پر کھڑے ہو گئے' جو یقیناً عقلی دلائل اور مضبوط بنیادوں پر تھے اور جواب طلب کر رہے تھے۔ مثلاً یہ دھماکہ اس دن ہوا جب یہودیوں کا کوئی تہوار تھا' لہٰذا چار ہزار یہودیوں میں سے گنتی کے چند یہودی وہاں موجود تھے۔ وہ سٹیل جو تقریباً 2700 ڈگری فارن ہائیٹ پر پگھلتا ہے وہ اتنے کم درجہ حرارت پر کیسے پگھل گیا؟ ٹوئن ٹاورز بالکل اس طرح گرے جیسے امریکہ میں پرانی عمارتوں کو گرانے کے لیے ان کے نیچے بارود blast کر کے گرایا جاتا ہے۔ جہازوں کے ٹکرانے سے کسی صورت ٹاورز اس طرح زمین بوس نہیں ہو سکتے۔ پینٹاگون کی دیوار کو توڑ کر جہاز کا جو حصّہ اندر گرا تھا اس کا حجم سوراخ کے ڈایا میٹر سے بڑا تھا' وہ چھوٹے سوراخ سے اندر کیسے داخل ہو گیا؟ امریکہ جیسی سپریم پاور آف دی ورلڈ کی فضا میں بیس منٹ تک اجنبی جہاز آوارہ گردی کرتے رہے اور امریکی دفاعی سسٹم اس کی کوئی اطلاع نہ دے سکے؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ جس آگ نے سٹیل پگھلا دیا وہ ایک سعودی پاسپورٹ کا کچھ نہ بگاڑ سکی اور وہ جائے وقوع سے صحیح سلامت مل گیا۔ پھر یہ کہ چند اسرائیل نژاد یہودی جن کی FBI نے تصدیق کی وہ ٹوئن ٹاورز کے قریب کیوں موجود تھے اور ٹاورز گرنے پر جشن مناتے کیوں پکڑے گئے؟ انہیں کیسے معلوم تھا کہ ابھی کوئی حادثہ ہوگا' وغیرہ وغیرہ۔

لیکن غور کیجئے' یہ واقعہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ جس کے پیچھے کسی نہ کسی گروہ کا ہونا ضروری تھا' جس کو آسمانی آفت قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ مزید یہ کہ اس سے امریکہ کا افغانستان پر حملے کا مقصد حاصل کرنا بھی ظاہر و باہر تھا اور اس سے عالمی سطح کے ایک پلان یا ایک بڑی گیم کے امکانات ظاہر ہوتے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً دو دہائیوں کے بعد 2019ء کے اواخر میں وقت کی ابھرتی ہوئی معاشی طاقت چین کے ایک اہم شہر ووہان میں سمندری جانوروں کی ایک منڈی میں جانوروں سے منتقل شدہ ایک نئی اور مشکوک بیماری کے اچانک پھیلنے کا واقعہ سامنے آیا۔ چین کے معاشی

حریف امریکہ بہادر نے یہ الزام لگایا کہ ووہان کی ایک لیول 4 کی لیبارٹری میں خطرناک تجربات کے دوران لاپرواہی سے یہ وائرس باہر سلپ ہوگیا ہے۔ جبکہ چین نے جواباً یہ الزام لگایا کہ کچھ ماہ قبل ووہان میں منعقدہ فوجی پریڈ میں امریکی فوجی اسے چین کے خلاف ایک سازش کے طور پر لائے۔ گویا اس بیماری کی ابتدا ہی دو عالمی طاقتوں کے بے بنیاد سازشی الزامات کے ساتھ ہوئی۔ لہٰذا ہماری طرح کے ملک جو نہ تین میں تھے نہ تیرہ میں' اسے صرف عالمی طاقتوں کا ٹوپی ڈراما یا زیادہ سے زیادہ ایک جنگی حربہ قرار دے رہے تھے اور کچھ لوگ اسے حرام چیزیں کھانے اور مسلمانوں پر ظلم کرنے کا نتیجہ اور اللہ کا عذاب قرار دے رہے تھے۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد جب یہ بیماری مختلف ممالک میں پھیلتی چلی گئی تو کچھ ''دانشوروں'' نے یہ غور کیا کہ جہاں جہاں انٹرنیٹ کی جدید ٹیکنالوجی 5G کے نیٹ ورک کے ٹاور نصب کیے جارہے ہیں وہاں اس کا پھیلاؤ زیادہ ہے۔ چونکہ 5G کی ریڈی ایشن کے مضر اثرات کے خدشات تو پہلے سے موجود تھے لہٰذا اس تھیوری کو کافی پذیرائی حاصل ہوئی' قطع نظر اس سے کہ الیکٹرومیگنیٹک ویوز وائرس کی طرح کے ایک بایولوجیکل پارٹیکل کو کیری کرسکتی ہیں کہ نہیں؟ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے جب یہ پوری دنیا میں پوری طرح پھیل گیا تب سازشی بیانیے بھی بڑھتے چلے گئے۔

کچھ عرصہ قبل تک کی دنیا کا امیر ترین شخص جو خدمت خلق کے رفاہی کاموں میں اپنی کافی دولت صرف کرچکا تھا ''امیر ترین'' کی سیٹ سے نیچے اتر آیا' اور حیران کن طور پر اپنی دولت کا بڑا حصّہ میڈیکل فیلڈ میں انویسٹ کرکے دُنیا کو کسی بھی ممکنہ عالمی وبا کے پھوٹنے سے متنبہ کرنے لگا' وہ سازشی بیانیہ کا ایک اہم ہدف تھا۔ گویا سب سے زیادہ رفاہی کاموں پر خرچ کرنے والا اب اچانک صرف اپنے منافع کی خاطر انسانیت کا سب سے بڑا قاتل ہونے کا ملزم ٹھہرا' حالانکہ کوئی واضح دلیل پیش نہ کی جاسکی۔ خاص طور پر جب یہ وبا مسلم ممالک میں وارد ہوئی تو معاملات بڑے پیچیدہ ہوگئے۔ نماز' تراویح اور حج کے اجتماعات متاثر ہوئے تو اب ہمیشہ کی طرح یہ عالَمِ کفر کی اسلام اور عالَمِ اسلام کے خلاف ایک بہت بڑی سازش قرار دی گئی۔ حالانکہ جہاں تک اس بیماری سے فائدہ اٹھانے کا تعلق ہے تو سچی بات یہ ہے کہ اس وبا سے اصل جانی و مالی نقصان تو ہوا ہی یورپ اور امریکہ جیسے ممالک میں ہے۔ گویا انہوں نے نمازیوں کی صفوں کو کھلا کھلا کروانے کے لیے اپنی تباہی کروالی۔

خاص طور پر ہمارے جذباتی مقررین (motivational speakers) اس معاملے میں پیش پیش رہے جن کا مقصد ہر سچی جھوٹی' معقول غیر معقول اور بے بنیاد باتوں کو جوڑ کر ایک منظّم انداز میں پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ پیش کرکے شہرت اور ریٹنگز کا حصول ہوتا ہے۔ (اس pandemic کو plandemic کہہ کر ایک مخصوص ''دجالی گروہ'' کو اس کا ذمہ دار قرار دیا گیا)

کوارینٹائن کا تصوّر جس کے بارے میں اب تک کریڈٹ لیا جارہا تھا کہ سب سے پہلے اسلام نے وباؤں کی صورت میں وبا سے متاثرہ اور غیر متاثرہ کو ''الگ الگ'' رہنے کا حکم دیا تھا کرونا وباء پھیلتے ہی اس تصوّر کو اسلام کے اجتماعیت پسند دین کے خلاف ایک دجالی سازش قرار دیا گیا۔ ماسک کے جس تصوّر کو کبھی پردے سے جوڑا جارہا تھا اور چھینکنے یا کھانسنے کے دوران منہ ڈھانکنے کی قدیم اسلامی تعلیم کی جدید صورت قرار دیا جارہا تھا' اب دجالی تہذیب کا عالمی سمبل قرار دیا گیا۔ گویا کورونا سے قبل ٹی بی اور ڈسٹ الرجی کے مریض اور سرجری کرنے والے ڈاکٹر دجال کو سیلوٹ پیش کررہے ہوتے تھے۔ اور اس قدر مضحکہ خیز دلائل گھڑے گئے کہ 0.1-10um سوراخ والے اس ماسک کو اپنے سے سوگنا بڑی 10um ڈایا میٹر کے سائز والی سانس کی نمی کی بوندوں (respiratory droplets) کے ذریعے منتقل ہونے والے وائرس کو تو روکنے سے قاصر قرار دیا گیا' لیکن لاکھوں گنا چھوٹی 346pm ڈایا میٹر کی آکسیجن کو روک کر ''استعمال شدہ'' آکسیجن کو پھر سے سانس کے ذریعے جسم میں بھیج کر نقصان کرنے کا ذمہ دار ضرور ٹھہرایا گیا (یہ ماسک 346pm ڈایا میٹر کی آکسیجن کو روک کر ''استعمال شدہ'' آکسیجن کو پھر سے سانس کے ذریعے جسم میں بھیج کر نقصان تو کرتا ہے لیکن ہزاروں گنا بڑے 100 - 200 um ڈایا میٹر کے وائرس کو نہیں روکتا' قطع نظر اس سے کہ وائرس درحقیقت سانس کی نمی کی بوندوں (respiratory droplets) کے ذریعے منتقل ہوتا ہے جو مزید ہزاروں گنا بڑا ڈایا میٹر 10um ہوتا ہے' جبکہ عام ماسک کا سوراخ 10um اور KN 95 ماسک کا سوراخ 0.3 to 01.0um ہوتا ہے۔)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ دنیا کا ایک مخصوص گروہ چاہتا ہے کہ دنیا کی آبادی بہت کم رہ جائے تو ہمیں اس میں بھی کوئی شک نہیں' لیکن اس مقصد کے لیے انہوں نے ایسی بیماری ہی دنیا پر مسلّط کیوں کی جو زیادہ تر صرف بوڑھوں اور بیماروں کو متاثر کرے۔ جہاں تک غالب قوتوں کا تعلق ہے وہ سورج کی دھوپ اور رات کے تاروں سے بھی فائدہ اٹھاتی ہیں۔ اپنے اردگرد دیکھ

لیجئے‘ جس نے ان بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو جتنا جلدی ایڈجسٹ کر کے اپنے کام کے لیے متبادل ذرائع اختیار کیے وہ اتنا ہی فائدہ اٹھا لے گیا اور جو باتیں کرتا رہ گیا وہ ہاتھ ملتا رہ گیا۔

جہاں تک حفاظتی اقدامات (SOPs) کے حوالے سے WHO کی گائیڈ لائنز کا تعلق ہے تو کورونا سے قبل کینسر سمیت تمام بیماریوں کا علاج کیا ہم خود اپنی عقل کے مطابق کرتے تھے؟ ہم مسلمانوں کے آباءواَجداد کی ایجادات سے انہوں نے فائدہ اٹھا کر ان کو اتنی وسعت دی کہ کل تک وہ ہماری یونیورسٹیوں میں پڑھنے آتے تھے تو آج ہم ان کے محتاج ہیں۔ کورونا سے پہلے بھی تھے اور ہمارا طرزِ عمل یہی رہا تو آئندہ بھی رہیں گے۔

جہاں تک لاک ڈاؤن کی تفصیلات کا تعلق ہے تو ہمیں اس سے اختلاف بھی رہا ہے اور ہم اس کو بارہا بیان بھی کرتے رہے ہیں۔ لیکن یہ فیصلہ مکمل طور پر علاقائی تھا۔ ہمیں ’خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا کَدَرَ‘ کے اصول کے مطابق ہر صحیح اور معقول بات کو اپنے حالات کے مطابق لینا چاہیے تھا۔ یورپ جیسے ترقی یافتہ ممالک کی نقالی کرتے ہوئے جب انڈیا جیسے ترقی پذیر ملک نے مکمل لاک ڈاؤن کیا تو اپنا بے تحاشا نقصان کیا۔ ہمارے ملک میں بھی سندھ نے وفاق سے اختلاف کرتے ہوئے نسبتاً سخت لاک ڈاؤن کیا۔ بہرحال سینما بند ہوئے‘ پارکس بند ہوئے‘ سکول بند ہوئے ریسٹورنٹ بند ہوئے‘ کھیل کے میدان میں تماشائیوں کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ ہر طبقے نے اسے اپنے خلاف سازش قرار دیا۔ جہاں تک مسجدوں کی بات ہے‘ گھر سے وضو کر کے جانے اور صرف فرض پڑھ کے واپس آنے میں تو قطعاً کوئی حرج نہیں تھا‘ بلکہ یہ اقرب الی السُّنّہ تھے‘ لیکن صفوں میں فاصلہ جیسے کچھ فقہی مسائل نے بھی جنم لیا جن کو علماء اور حکومت نے مل کر بروقت بحسن وخوبی طے کر لیا‘ لیکن ان پر عمل درآمد کا مرحلہ بڑا سخت جان تھا۔ ہمارے عام سرکاری اور پولیس کلچر کے مطابق کہیں تو بے جا زور اور طاقت کا مظاہرہ کیا گیا اور جس طبقہ کے پاس دولت‘ طاقت یا اثر و رسوخ تھا اس کے ساتھ ہاتھ ہولا رکھا گیا۔

جہاں تک بات ہے ان SOPs پر مؤثر طریقے سے یکساں عمل درآمد کروانے کی‘ تو کورونا سے قبل حکومت نے کون سے قوانین پر صحیح روح کے ساتھ عمل کروایا ہے جو اب کرواتی؟ قائداعظم تو سرکاری ملازمین کو وصیت کر گئے تھے کہ تمہارا تعلق کسی سیاسی پارٹی سے نہیں بلکہ تم صرف پاکستان کے خادم

ہو‘ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر بندہ اپنے سیاسی و مسلکی رجحان کے مطابق ’’اپنوں‘‘ کو چھوٹ دیتا اور ’’غیروں‘‘ کو تنگ کرتا رہا ہے اور کورونا کے بعد بھی کرتا رہے گا۔ لہٰذا مختلف سیاسی پارٹیاں اور فرقے ایک دوسرے پر الزام تراشی کرتے رہے اور کورونا کا مسئلہ مزید پیچیدہ ہوتا چلا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کُفّار نے ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں اور بالخصوص یہود نے ہمیشہ سب سے بڑھ کر سازشی کردار ادا کیا‘ خواہ وہ علماءِ یہود کا صبح ایمان کا جھوٹا دعویٰ اور شام کو کفر کرنا ہو‘ یا مدینے میں منافقین کے ساتھ گٹھ جوڑ اور خود رسول اللہ ﷺ کے قتل تک کی سازشیں‘ چاہے وہ سبائی فتنہ ہو یا بعد میں مسلمانوں کو آپس میں لڑوانے کی سازشیں۔ اور اسی طرح اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ کُفّار کی سازشوں کے باوجود اُمّتِ مُسلمہ ایک طویل عرصہ تک عروج پر رہی‘ چاہے وہ عربوں کے زیر اثر ہو یا ترکوں اور مغلوں کے۔ مزید یہ کہ عربوں اور ترکوں کے وہ اجداد جنہوں نے تمام سازشوں کے باوجود ریاستوں کی بنیادیں ڈالیں‘ وہ ان ناخلف اور ناہنجاروں سے کس قدر مختلف تھے جو اپنی نااہلی‘ لالچ‘ ہوس‘ عیاشی و بدمعاشی کی وجہ سے خود بھی ذلیل ہوئے اور پوری اُمّتِ مُسلمہ کو بھی‘ جو بحیثیت مجموعی انہی خصلتوں کی حامل ہو چکی تھی‘ ثریا سے زمین پر آسماں نے دے مارا۔ خلافت کی بساط لپٹی اور یہود کی عالمی سازشوں کی بساط بچھ گئی۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر ہماری ذلّت و مسکنت اور خواری کی اصل وجہ دشمنوں کی سازشیں ہیں‘ تو یہ تو شروع سے ہیں۔ اب کیوں ان کی سازشوں نے اثر کرنا شروع کیا۔ جبکہ قرآن کہتا ہے کہ ﴿وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا﴾..... ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہم اپنی سوچ اور فکر میں توازن قائم کریں۔ جو بات خلافِ دین اور شریعت ہے اُسے یکسر مسترد کر دیں‘ لیکن یہ اختیار ہر ایرے غیرے کو حاصل نہ ہو‘ اور جس بات میں شرعی طور پر کوئی حرج نہ ہو اُسے صرف اِس لیے رد نہ کر دیں کہ اُس کو پیش کرنے والا یا سامنے لانے والا بوجوہ ہمارا پسندیدہ نہیں ہے‘ کیونکہ یہ عدل کے تقاضوں کے خلاف ہے اور اسلام عدل کا درس دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح بات کرنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! ❁❁❁

میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُوْرَۃُ النَّجْم

تمہیدی کلمات

مکّی مدنی سورتوں کے چھٹے گروپ کی تین سورتوں کا مطالعہ ہم کر چکے ہیں۔ ان میں سورۂ قٓ منفرد ہے جبکہ سورۃ الذّاریات اور سورۃ الطور جوڑے کی شکل میں ہیں۔ ان میں سے سورۃ الذّاریات میں انباء الرسل کے انداز میں مختلف پیغمبروں کا ذکر ہے‘ جبکہ سورۃ الطور میں قیامت کے احوال‘ جنّت‘ دوزخ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور قدرتوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد سورۃ النجم اور سورۃ القمر بھی جوڑے کی صورت میں ہیں۔ ان دونوں سورتوں میں بعض مضامین بہت مشکل ہیں۔ ان دونوں کی باہمی مناسبت اور مشابہت ان کی آغاز کی آیات سے ظاہر ہوتی ہے۔ سورۃ النجم کی پہلی آیت میں ستارے کے گرنے کا ذکر ہے‘ جبکہ سورۃ القمر کی پہلی آیت میں چاند کے پھٹنے کا حوالہ آیا ہے۔

آیات ۱ تا ۱۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰی ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَ مَا غَوٰی ۚ﴿۲﴾ وَ مَا
يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ؕ﴿۳﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ يُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِيۡدُ
الۡقُوٰی ۙ﴿۵﴾ ذُوۡ مِرَّةٍ ؕ فَاسۡتَوٰی ۙ﴿۶﴾ وَ هُوَ بِالۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی ؕ﴿۷﴾ ثُمَّ دَنَا
فَتَدَلّٰی ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی ۚ﴿۹﴾ فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِهٖ مَاۤ
اَوۡحٰی ؕ﴿۱۰﴾ مَا كَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوۡنَهٗ عَلٰی مَا
يَرٰی ﴿۱۲﴾ وَلَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰی ۙ﴿۱۳﴾ عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰی ﴿۱۴﴾

عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰی ؕ﴿۱۵﴾ اِذۡ يَغۡشَی السِّدۡرَةَ مَا يَغۡشٰی ۙ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ
الۡبَصَرُ وَ مَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرٰی ﴿۱۸﴾

آیت ۱ ﴿وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰی ۙ﴿۱﴾﴾ ’’قسم ہے ستارے کی جبکہ وہ گرتا ہے۔‘‘

هَوٰی يَهۡوِیۡ هَوِيًّا کا اصل معنی ہے: اوپر سے نیچے گرنا۔ یہاں اس سے ستاروں کا اُفق سے غائب ہونا‘ ڈوب جانا یا فنا ہو جانا مراد ہو سکتا ہے۔ (اس پر قدرے تفصیلی بحث سورۃ الواقعہ میں ’’مَوَاقِعِ النُّجُوۡم‘‘ کے ضمن میں آئے گی۔) اَلۡهَوِيَّة گہرے کنویں کو اور هَاوِيَة دوزخ کو کہا جاتا ہے۔ جبکہ اسی مادہ سے هَوِیَ يَهۡوٰی هَوًی کا معنی ہے: خواہش کرنا۔ یہ لفظ (اَلۡهَوٰی) آگے آیت ۳ میں آ رہا ہے۔

آیت ۲ ﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوٰی ۚ﴿۲﴾﴾ ’’(اے لوگو!) تمہارے یہ ساتھی نہ تو بھٹکے ہیں اور نہ ہی بہکے ہیں۔‘‘

قرآن حکیم میں قسم بالعموم شہادت کے لیے آتی ہے۔ یہاں ستاروں کے غروب یا سقوط کی قسم کھا کر قریش کو مخاطب کر کے بتایا جا رہا ہے کہ تمہارے یہ ساتھی (محمد رسول اللہ ﷺ) نہ تو غلط فہمی کی بنا پر راستے سے بہکے ہیں اور نہ اپنے قصد و اختیار سے جان بوجھ کر غلط راستے پر چلے ہیں۔

آیت ۳ ﴿وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ؕ﴿۳﴾﴾ ’’اور یہ (جو کچھ کہہ رہے ہیں) اپنی خواہشِ نفس سے نہیں کہہ رہے ہیں۔‘‘

آیت ۴ ﴿اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ يُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾﴾ ’’یہ تو صرف وحی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔‘‘

اگلی آیات میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا ذکر ہے جنہوں نے نبی مکرم ﷺ کو اس کلام کی تعلیم دی۔ یہ مضمون دوسری مرتبہ تیسویں (۳۰) پارے کی سورۃ التّکویر میں آیا ہے۔ دونوں عبارتوں میں ایک خوبصورت مماثلت یہ ہے کہ وہاں بھی حضور ﷺ کا ذکر صَاحِبُكُمۡ کے لفظ سے کیا گیا ہے:

﴿وَمَا صَاحِبُكُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدۡ رَاٰهُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِيۡنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى
الۡغَيۡبِ بِضَنِيۡنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَيۡطٰنٍ رَّجِيۡمٍ ﴿۲۵﴾﴾ (التکویر)

’’اور (مکّہ والو!) تمہارے یہ رفیق دیوانے نہیں ہیں۔ بے شک انہوں نے اس (جبرائیلؑ) کو کھلے اُفق پر دیکھا ہے۔ اور وہ غیب کے معاملے میں بخیل نہیں ہیں۔ اور یہ

ہرگز کسی شیطانِ رجیم کا قول نہیں ہے۔''

حضرت جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر نہیں آتے تھے اور نہ ہی وحی کو آپؐ اپنے کانوں سے سُن سکتے تھے۔ فرشتے اور وحی دونوں کا تعلق چونکہ عالَمِ امر سے ہے اس لیے ان کا نزول بھی آپؐ کی شخصیت کے اس حصے پر ہوتا تھا جو عالَمِ امر سے متعلق تھا' یعنی آپؐ کی روحِ مبارک۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیں کہ انسانی روح کا مسکن چونکہ قلبِ انسانی ہے اس لیے وحی کا نزول براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ مبارک پر ہوتا تھا: ؎

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو
رُوح سنے اور روح سنائے!

تاہم حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس انسانی شکل میں آنا بھی ثابت ہے۔ روایات میں یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ حضرت جبرائیلؑ جب انسانی شکل میں آپؐ کے پاس آتے تو عموماً خوبصورت نوجوان صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آتے جو بہت عظیم انسان تھے۔ اس حوالے سے ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ انسانی شکل میں حضرت جبرائیلؑ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو گفتگو ہوتی وہ ''وحی متلو'' یعنی قرآن میں شامل نہیں ہے۔ مثلاً ''حدیثِ جبریلؑ'' میں حضرت جبرائیلؑ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکالمے کی تفصیل درج ہے۔ اس موقع پر حضرت جبرائیلؑ انسانی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ سے دین کے بارے میں چند بنیادی سوالات پوچھے۔ آپؐ نے ان سوالات کے جوابات دیے۔ ان کے چلے جانے کے بعد آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا کہ یہ جبرائیلؑ تھے جو تم لوگوں کو تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے تھے۔ اس حدیث کا مضمون اس قدر اہم ہے کہ محدّثین نے اسے ''اُمُّ السُّنَّہ'' قرار دیا ہے' لیکن اس حدیث کے مندرجات قرآن میں شامل نہیں۔

البتہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی شکل میں بھی دیکھا ہے۔ پہلی مرتبہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آغازِ نبوت کے زمانے میں دیکھا تھا۔ یہ واقعہ ''فترتِ وحی'' کے دنوں میں پیش آیا۔ (پہلی وحی کے بعد وحی کا سلسلہ کچھ عرصہ کے لیے منقطع رہا' اس وقفے کو ''فترتِ وحی'' کہا جاتا ہے۔) ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا سے اُتر رہے تھے تو آپؐ نے ایک آواز سنی ''یا محمد!'' آپؐ نے اِدھر اُدھر دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا۔ آپؐ نے سمجھا کہ شاید مجھے دھوکہ ہوا ہے' لیکن دوسرے ہی لمحے وہی آواز پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ بھی آپؐ کو جب کوئی انسان دکھائی

نہ دیا تو آپؐ کو کچھ خوف محسوس ہوا۔ تیسری مرتبہ جب آپؐ نے پھر وہی آواز سنی تو آپؐ نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اوپر دیکھنے سے آپؐ کو حضرت جبرائیلؑ اپنی اصلی ملکوتی شکل میں اس طرح نظر آئے کہ پورا اُفق بھرا ہوا تھا۔

دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیلؑ کو معراج کے موقع پر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب دیکھا۔ آئندہ آیات میں اسی مشاہدے کا ذکر ہے۔ حضرت جبرائیلؑ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفرِ معراج پر لے جانے کے لیے آئے تو وہ انسانی شکل میں تھے اور آپؐ کے لیے جو سواری (براق) وہ لے کر آئے تھے وہ بھی کوئی محسوس و مرئی قسم کی مخلوق تھی۔ لیکن جب آپؐ ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچے تو وہاں حضرت جبرائیلؑ اصل ملکوتی شکل میں ظاہر ہوئے۔ اس مقام پر انہوں نے آگے جانے سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں یہاں سے آگے بڑھوں گا تو میرے پَر جل جائیں گے: ؎

اگر یک سرِ موئے برتر قدم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

اس مضمون کے حوالے سے یہاں سمجھنے کا اصل نکتہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی اصل ملکوتی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کرانے اور پھر اس ملاقات کا قرآن مجید میں ذکر کرنے کا مقصد نزولِ وحی کے سلسلے کے درمیانی رابطے (link) کی سند فراہم کرنا ہے۔ اس نکتہ لطیف کو ''اصولِ حدیث'' کے حوالے سے سمجھنا چاہیے۔ محدّثین نے احادیث کی صحت (authenticity) کی تحقیق کے لیے جو اصول وضع کیے ہیں ان میں ایک بنیادی اصول یہ بھی ہے کہ جس شخص کی کسی دوسری شخصیت سے روایت منقول ہے اس کی اس شخصیت سے شعور کی عمر اور شعور کی کیفیت میں ملاقات بھی ثابت ہونا ضروری ہے۔ اگر ایسی ملاقات ثابت نہ ہو سکے تو متعلقہ راوی کی روایت قابل قبول نہیں سمجھی جاتی۔ مثلاً اگر ایک تابعیؒ کی کسی صحابیؓ سے کوئی روایت منقول ہے مگر حقائق ثابت کرتے ہیں کہ جب وہ صحابیؓ فوت ہوئے تو متعلقہ تابعی کی عمر صرف چھ سال تھی' یعنی اس وقت ان کی عمر ایسی نہ تھی کہ وہ بات کو سمجھ کر کسی دوسرے کو بتا سکتے' تو ایسی صورت میں متعلقہ تابعی کی وہ روایت محدّثین کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوگی۔ چنانچہ حدیثِ رسولؐ کی صحت (authenticity) کے لیے اگر متعلقہ راویوں کی ملاقات کا ثابت ہونا ضروری ہے تو ایسا ہی ثبوت اللہ تعالیٰ کی حدیث (اللہ تعالیٰ نے قرآن کو سورۃ الزمر کی آیت ۲۳ میں اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ

قرار دیا ہے) کی روایت کے حوالے سے بھی دستیاب ہونا چاہیے —— چنانچہ قرآن مجید کی روایت کی تصدیق وتوثیق یوں ہوگی: قرآن کیا ہے؟ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اللہ سے اُس کا کلام کس نے سنا؟ جبرائیلؑ نے سنا۔ جبرائیلؑ سے کس نے سنا؟ جبرائیلؑ سے محمد (ﷺ) نے سنا۔ تو کیا جبرائیلؑ اور محمد (ﷺ) کی ملاقات ثابت ہے؟ جی ہاں! ان کے درمیان دو مرتبہ کی ملاقات قرآن سے ثابت ہے —— چنانچہ وحی کی ''روایت'' کا درمیانی رابطہ (link) ثابت کرنے کے لیے حضور ﷺ کی حضرت جبرائیلؑ سے اصل ملکوتی شکل میں ملاقات کی ''سند'' انتہائی اہم ہے جو یہ آیات فراہم کر رہی ہیں۔

آیت ۵ ﴿عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵﴾ ''انہیں سکھایا ہے اُس نے جو زبردست قوت والا ہے۔''

''شَدِيْدُ الْقُوٰى'' سے یہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں' یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کو یہ قرآن جبرائیلؑ نے سکھایا ہے جو زبردست قوت والا ہے۔

آیت ۶ ﴿ذُوْ مِرَّةٍ ؕ فَاسْتَوٰى ۝۶﴾ ''جو بڑا زور آور ہے۔ پس وہ سیدھا ہوا۔''

آیت ۷ ﴿وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷﴾ ''اور وہ افق اعلیٰ پر تھا۔''

یعنی حضور ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ کو افق پر اپنی اصلی شکل میں دیکھا۔

آیت ۸ ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸﴾ ''پھر وہ قریب آیا اور جھک پڑا۔''

آیت ۹ ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝۹﴾ ''بس دو کمانوں کے برابر (فاصلہ رہ گیا) یا اس سے بھی قریب۔''

آیت ۱۰ ﴿فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝۱۰﴾ ''پھر اُس نے وحی کی اللہ کے بندے کی طرف جو وحی کی۔''

''اَوْحٰى'' کا فاعل اللہ تعالیٰ بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا: ''پس اللہ نے وحی کی اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔''

جس وحی کا یہ ذکر ہے وہ ''وحیٔ رسالت'' تھی' جبکہ پہلی وحی جو سورۃ العلق کی ابتدائی آیات پر مشتمل تھی ''وحیٔ نبوت'' تھی۔ اس وحی سے حضور ﷺ کی نبوت کا ظہور ہوا: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِيْ عَلَّمَ

بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵﴾ ان پانچ آیات میں نہ تو آپؐ کو کوئی حکم دیا گیا تھا اور نہ ہی کوئی ذِمّہ داری سونپی گئی تھی۔ اس کے بعد کئی ماہ تک کوئی وحی نہیں آئی۔ اس عارضی وقفے کو ''فترتِ وحی'' کا دور کہا جاتا ہے۔ پھر ایک دن جب آپ ﷺ غارِ حرا سے واپس آ رہے تھے تو وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر آیات زیر مطالعہ میں ہو رہا ہے۔ یعنی آپؐ نے حضرت جبرائیلؑ کو اُن کی اصل مَلَکی شکل میں اُفق پر دیکھا۔ اس منظر سے آپؐ خوفزدہ ہو گئے اور اسی گھبراہٹ کی حالت میں آپؐ گھر پہنچے۔ گھر پہنچتے ہی آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو کمبل اوڑھانے کا فرمایا۔ اس کیفیت میں جب آپؐ کمبل اوڑھے لیٹے تھے تو یہ وحی نازل ہوئی' جس میں آپؐ کو رسالت کی ذِمّہ داری سونپ دی گئی: ﴿يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳﴾ (المدثر) ''اے کمبل میں لپٹ کر لیٹنے والے! اب کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو خبردار کرو۔ اور اپنے رب کی بڑائی (کا اعلان) کرو!'' یعنی آپ ﷺ کی اس دعوت کا نقطۂ آغاز تو ''اِنذار'' ہے' مگر دنیا میں اس کا ہدف ''تکبیرِ ربّ'' ہے۔ پس آپؐ اپنے رب کی بڑائی بیان کریں' اس کی بڑائی منوائیں اور اس کی بڑائی کو نافذ کریں۔

آیت ۱۱ ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝۱۱﴾ ''جو کچھ انہوں نے دیکھا' ان کے دل و دماغ نے اسے جھٹلایا نہیں۔''

یعنی دل میں کسی قسم کا شک پیدا نہیں ہوا۔ یہ خیال نہیں آیا کہ یہ وہم ہوسکتا ہے یا خواب ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ اکثر ہوتا ہے' انسان جب کوئی غیر معمولی واقعہ یا انوکھا منظر دیکھتا ہے تو ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ ع ''آنچہ می بینم بیداریست یارب یا بخواب!'' (اے اللہ! یہ جو میں دیکھ رہا ہوں یہ بیداری میں دیکھ رہا ہوں یا خواب میں!) لیکن اس واقعہ کے بارے میں حضور ﷺ کا معاملہ ایسا نہیں تھا۔ آپؐ کی آنکھوں نے جو دیکھا آپؐ کے دل نے اسے تسلیم کیا اور اس کی تصدیق کی۔ گویا اس انتہائی غیر معمولی واقعہ کے بارے میں آپ ﷺ کے دل اور آپؐ کی نگاہوں کے درمیان کوئی تضاد و اختلاف نہیں تھا۔

آیت ۱۲ ﴿اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝۱۲﴾ ''تو کیا تم اس سے جھگڑتے ہو اس چیز پر جسے وہ دیکھتا ہے!''

اس بارے میں جو تفصیل محمد (ﷺ) بیان کر رہے ہیں تم لوگ اس میں شکوک و شبہات کا

اظہار کر رہے ہو۔ لیکن وہ تو یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں اور وہ تم سے آنکھوں دیکھا واقعہ ہی بیان کر رہے ہیں۔ بقولِ اقبال: ع ''قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید'' کہ قلندر جو بھی بیان کرتا ہے اپنا مشاہدہ ہی بیان کرتا ہے۔ (جب کہ یہاں تو معاملہ قلندر کا نہیں' پیغمبر ﷺ کا ہے!)

آیت ۱۳ ﴿وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾﴾ ''اور انہوں نے تو اس کو ایک مرتبہ اور بھی اُترتے دیکھا ہے۔''

یعنی حضور ﷺ نے حضرت جبرائیلؑ کو دو مرتبہ اصلی شکل وصورت میں دیکھا ہے۔ دوسری مرتبہ کہاں دیکھا؟

آیت ۱۴ ﴿عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾﴾ ''سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔''

یہ ساتویں آسمان پر وہ مقام ہے جس سے آگے کسی مخلوق کو جانے کی اجازت نہیں۔ اس انتہائی حد کی علامت بیری کا وہ درخت ہے جسے آیت میں ''سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى'' کا نام دیا گیا ہے۔ اس مقام کی کیفیت اور نوعیت ہمارے تصوّر سے ماوراء ہے۔ معراج کے موقع پر ''سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى'' پر حضرت جبرائیلؑ اپنی اصل ملکوتی شکل میں ظاہر ہوئے اور آگے جانے سے معذرت کر لی۔

آیت ۱۵ ﴿عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾﴾ ''جنّت الماویٰ بھی اس کے پاس ہی ہے۔''

''جنّت الماویٰ'' سب سے اونچے درجے کی جنّت ہے' جو ساتویں آسمان پر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے۔ قیامت کے دن اہلِ جنّت کو جہاں ''نُزل'' پیش کیا جائے گا وہ جنّت تو زمین پر واقع ہوگی۔ اس کے بعد ان میں سے ہر شخص کے اپنے اپنے ایمان وخلوص کی گہرائی اور انفاقِ جان و مال کے تناسب کے حساب سے درجہ بدرجہ ترقی ہوتی جائے گی۔ حتیٰ کہ کچھ خوش قسمت لوگ جنّت الماویٰ میں پہنچ جائیں گے۔ (اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْھُمْ!)

آیت ۱۶ ﴿اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾﴾ ''جبکہ چھائے ہوئے تھا سِدرہ پر جو چھائے ہوئے تھا۔''

یعنی تم انسانوں کو کیا بتایا جائے کہ اس بیری کے درخت کی اس وقت کیا کیفیت تھی۔ تم اس کیفیت کو نہیں سمجھ سکتے ہو۔ وہ انوار و تجلّیاتِ الٰہیہ کے نزول کی ایسی کیفیت تھی جو نہ تو کسی زبان سے ادا ہو سکتی ہے اور نہ ہی کسی قسم کے الفاظ اس کی تعبیر کر سکتے ہیں۔

آیت ۱۷ ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ﴿۱۷﴾﴾ ''(اُس وقت محمد ﷺ کی) آنکھ نہ تو کج ہوئی اور نہ ہی حد سے بڑھی۔''

یہاں پر دونوں انتہائی کیفیات کی نفی کر دی گئی۔ انسان کی فطری اور طبعی کمزوری ہے کہ اگر اسے اچانک بہت تیز روشنی کا سامنا کرنا پڑے تو وہ نظروں کو اس سے پھیرنے اور ہٹانے کی کوشش کرتا ہے یا پلک جھپک لیتا ہے۔ اس حوالے سے یہاں بتایا گیا کہ حضور ﷺ نے انوار و تجلّیاتِ الٰہیہ کا کھلی آنکھوں سے براہِ راست مشاہدہ کیا اور نگاہ جما کر دیکھا۔ لیکن اس مشاہدے میں حدِ ادب سے تجاوز بھی نہیں کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس آیت کو اکثر و بیشتر لوگ سمجھ نہیں سکے۔ جبکہ میں نے اس کے مفہوم کو علّامہ اقبالؔ کے اس شعر کی مدد سے سمجھا ہے: ؎

عینِ وصال میں مجھے حوصلۂ نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جُو رہی میری نگاہِ بے ادب!

یہ ''بالِ جبریل'' کی نظم ''ذوق وشوق'' کا شعر ہے۔ یہ نظم بلاشبہ علامہ اقبال کی شاعرانہ استعداد کی معراج ہے' اگرچہ اُمّتِ مُسلمہ کے لیے پیغام کے اعتبار سے ان کی آخری عمر (۱۹۳۶ء) کی نظم ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' نقطۂ عروج کا درجہ رکھتی ہے۔ اس شعر میں علامہ کہتے ہیں کہ میں وصال کے دوران ادب کے تمام تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر محبوب کے حسن کا مشاہدہ کرنا چاہتا تھا مگر نظریں جما کر براہِ راست دیکھنے کا مجھ میں حوصلہ نہ تھا۔ یہاں اقبالؔ اپنی نظر کی ''بے ادبی'' کو خود تسلیم کر رہے ہیں اور حدِّ ادب سے تجاوز کرنے کی شدید خواہش کا بھی اعتراف کر رہے ہیں' لیکن ساتھ ہی وہ اپنی معذوری کا بھی اعتراف کر رہے ہیں کہ ایسا کرنے کا حوصلہ ان میں نہیں تھا۔ گویا صرف وہ حوصلے کے فقدان کی وجہ سے ''بے ادبی'' کے ارتکاب سے بچے رہے۔ اب اس شعر میں پیش کیے گئے تصوّر کی روشنی میں غور کریں تو آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کے تحمل اور حوصلے کا یہ عالَم تھا کہ آپؐ نے اُن انوار و تجلیات کو براہِ راست دیکھا اور جم کر مشاہدہ کیا۔ لیکن دوسری طرف آپؐ کے ضبط اور ''ادب'' کا کمال یہ تھا کہ ''حوصلہ'' ہوتے ہوئے بھی آپؐ کی طرف سے ایک خاص حد سے سرِ مُو تجاوز نہ ہوا۔

آیت ۱۸ ﴿لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾﴾ ''انہوں نے اپنے رب کی عظیم ترین آیات کو دیکھا۔''

معراج کے موقع پر حضور ﷺ کے مشاہدے سے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی دو آراء پائی جاتی ہیں۔ کچھ صحابہؓ کا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ کو دیکھا' جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ آپؐ نے اللہ کو نہیں دیکھا بلکہ انوارِ الٰہیہ کا مشاہدہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات کے قائل تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے شبِ معراج میں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو یہاں تک فرمایا کرتی تھیں کہ ''جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا وہ اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا افترا کرتا ہے''۔ صحیح مسلم (کتاب الایمان) میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے عبداللہ بن شقیقؒ کی دو روایتیں منقول ہیں۔ ایک روایت میں حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ مَیں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ ''کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟'' حضور ﷺ نے جواب میں فرمایا: ((نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاهُ؟)) ''ایک نُور تھا' مَیں اُسے کیسے دیکھتا؟'' دوسری روایت میں حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میرے اس سوال کا جواب آپ ﷺ نے یہ دیا کہ ((رَاَيْتُ نُوْرًا)) ''میں نے ایک نور دیکھا تھا''۔ علامہ ابن القیمؒ نے ''زاد المعاد'' میں رسول اللہ ﷺ کے پہلے ارشاد کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ''میرے اور رؤیت باری تعالیٰ کے درمیان ایک نُور حائل تھا''۔ جبکہ دوسرے ارشاد کا مطلب وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے اپنے رب کو نہیں بلکہ بس ایک نور دیکھا''۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب روایات میں رؤیتِ باری تعالیٰ کا اثبات ملتا ہے۔ آیت زیر مطالعہ اس حوالے سے یہ واضح کرتی ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ کی عظیم آیات کا مشاہدہ کیا۔ چنانچہ یہ آیت اوّل الذکر رائے کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہے کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مشاہدہ کیا نہ کہ خود اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں سفرِ معراج کے پہلے حصے (مسجد حرام تا مسجد اقصیٰ) کا ذکر ہوا' وہاں بھی یہ ارشاد ہوا ہے کہ ہم اپنے بندے کو اس لیے لے گئے تھے ﴿لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا﴾ ''تاکہ اُس کو اپنی نشانیاں دکھائیں''۔ لیکن وہاں ''زمینی آیات'' کے مشاہدے کی بات ہوئی ہے' جبکہ ان آیات میں سفرِ معراج کے دوسرے مرحلے کے دوران سدرۃ المنتہیٰ کے مقام کی آیات وتجلّیات کے مشاہدے کا ذکر ہے۔ یہ مقام کسی مخلوق کی رسائی کی آخری حد ہے۔ اس سے آگے ''حریم ذات'' ہے' جہاں کسی غیر کا کوئی دخل ممکن نہیں۔ اس مقام خاص اور اس آخری حد پر لے جا کر حضور ﷺ کو خاص الخاص آیاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ کرایا گیا جنہیں آیت زیر مطالعہ میں ''آیات الکبریٰ'' کہا گیا ہے۔

آیات ۱۹ تا ۳۲

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ
الذَّكَرُ وَ لَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ اِنْ هِيَ اِلَّاۤ
اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ
سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَ لَقَدْ
جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ
الْاٰخِرَةُ وَ الْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ
شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ
يَرْضٰى ﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ
تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا
الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ
مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَ لَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ
مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ
سَبِيْلِهٖ ۙ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾ وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا
فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ يَجْزِيَ
الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ
وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ
اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ
فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾

آیت ۱۹ ﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾﴾ ''تو کیا تم لوگوں نے لات اور عُزّیٰ کے بارے میں غور کیا ہے؟''

اب یہاں سے مکّی سورتوں کے عمومی مضامین کا آغاز ہو رہا ہے۔

آیت ۲۰ ﴿وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝۲۰﴾ ''اور جو تیسری ایک اور (دیوی) منات ہے؟''

یعنی کبھی تم لوگوں نے اپنی ان تین دیویوں کی حقیقت کے بارے میں بھی سوچا ہے؟

آیت ۲۱ ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝۲۱﴾ ''کیا تمہارے لیے بیٹے ہیں اور اُس کے لیے بیٹیاں؟''

تم اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کو تم نے الاٹ بھی کی ہیں تو بیٹیاں!

آیت ۲۲ ﴿تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝۲۲﴾ ''یہ تو بہت بھونڈی تقسیم ہے!''

آیت ۲۳ ﴿اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ﴾ ''یہ کچھ نہیں ہے سوائے اس کے کہ کچھ نام ہیں جو رکھ لیے ہیں تم نے اور تمہارے آباء واَجداد نے''

﴿مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ﴾ ''اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نہیں اُتاری۔''

﴿اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ﴾ ''یہ لوگ نہیں پیروی کر رہے مگر ظن وتخمین کی اور اپنی خواہشاتِ نفس کی۔''

یعنی ان لوگوں نے اپنی خواہشاتِ نفس اور wishful thinkings کو عقائد کی شکل دے دی ہے اور کچھ فرضی نام رکھ کر ان کی پوجا شروع کر دی ہے۔

﴿وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۝۲۳﴾ ''جب کہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے الہدیٰ آ چکا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے اپنی کتاب بھی نازل کی ہے اور محمدؐ رسول اللہ ﷺ کو بھی بھیجا ہے۔

آیت ۲۴ ﴿اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ۝۲۴﴾ ''کیا انسان کو وہی کچھ مل جائے گا جس کی وہ آرزو کرتا ہے؟''

آیت ۲۵ ﴿فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ۝۲۵﴾ ''پس آخرت اور دنیا' سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

یعنی دنیا اور آخرت سے متعلق اختیارِ مطلق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

آیت ۲۶ ﴿وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا﴾ ''اور کتنے ہی

فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آئے گی''

﴿اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝۲۶﴾ ''مگر اس کے بعد کہ اللہ جس کے لیے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔''

آسمانوں کے فرشتے اہلِ ایمان کے لیے تو دعا کرتے ہیں: ﴿يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ﴾ (المؤمن:۷) کہ پروردگار! تُو اہلِ ایمان کی مغفرت فرما دے۔ لیکن ان مشرکین کے لیے نہ کوئی دعا کرے گا اور نہ ہی شفاعت۔

آیت ۲۷ ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ۝۲۷﴾ ''یہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انہوں نے فرشتوں کے مؤنث نام رکھ دیے ہیں۔''

اور پھر اپنے خیال کے مطابق ان ہی ناموں پر انہوں نے اپنے لیے دیویاں گھڑ لی ہیں۔

آیت ۲۸ ﴿وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ﴾ ''اور ان کے پاس اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ وہ نہیں پیروی کر رہے مگر صرف گمان کی۔''

یعنی فرشتوں کے مؤنث نام رکھنے اور پھر ان ناموں کے مطابق دیویاں بنا کر ان کی پوجا کرنے کے بارے میں ان کے پاس نہ تو کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ ہی اللہ کی اتاری ہوئی کسی کتاب سے کوئی سند۔ اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ یہ لوگ محض اپنے ظن وتخمین اور وہم وگمان کی پیروی کر رہے ہیں۔

﴿وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۝۲۸﴾ ''اور ظن تو حق سے کچھ بھی مستغنی نہیں کر سکتا۔''

یعنی گمان کسی درجے میں بھی حق کا بدل نہیں ہو سکتا اور وہ حق کی جگہ کچھ بھی کام نہیں دے سکتا — حق یا تو وہ الہامی علم (revealed knowledge) ہے جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچایا ہے یا پھر انسان کا وہ اکتسابی علم (acquired knowledge) جو وہ اپنے حواس سے حاصل ہونے والی ٹھوس معلومات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر حاصل کرتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ' عِلْمُ الْاَدْيَانِ وَعِلْمُ الْاَبْدَانِ۔ (اس موضوع پر مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو: سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۳۶ کی تشریح۔) اس

کے علاوہ جن علوم کی بنیاد ظن وتخمین پر ہے‘ حق کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

آیت ۲۹ ﴿فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾﴾

’’تو (اے نبی ﷺ!) آپ اعراض کر لیجیے ہر اُس شخص سے جس نے روگردانی کی ہے ہمارے ذکر سے‘ اور دنیا کی زندگی کے سوا جسے کچھ مطلوب نہیں ہے۔‘‘

آپ ﷺ ہر ایسے شخص کو نظر انداز کر دیں اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں جو صرف اور صرف دنیا کا طالب ہے اور اپنے اُس مطلوب کی دھن میں اس نے ہماری یاد سے پیٹھ موڑ لی ہے۔ ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصّہ نہیں ہوگا۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا قانون اٹل ہے جس کی وضاحت سورۂ بنی اسرائیل کی ان آیات میں کر دی گئی ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾﴾

’’جو کوئی عاجلہ (دنیا) کا طلب گار بنتا ہے ہم اس کو جلدی دے دیتے ہیں اس میں سے جو کچھ ہم چاہتے ہیں‘ جس کے لیے چاہتے ہیں‘ پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لیے جہنّم۔ وہ داخل ہوگا اس میں ملامت زدہ‘ دھتکارا ہوا۔ اور جو کوئی آخرت کا طلب گار ہو‘ اور اس کے لیے اس کے شایانِ شان کوشش کرے اور وہ مؤمن بھی ہو تو یہی لوگ ہوں گے جن کی کوشش کی قدر افزائی کی جائے گی۔‘‘

آیت ۳۰ ﴿ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ﴾ ’’یہ ہے ان کے علم کی رسائی کی حد۔‘‘

ان کے علم کی رسائی بس دنیا تک ہی ہے اور وہ اسی میں الجھ کر رہ گئے ہیں۔ علم آخرت ان کے چھوٹے اور محدود ذہنوں کی پہنچ میں ہے ہی نہیں۔ حالانکہ انسان کا ذہنی ظرف ذرا بھی وسیع ہو تو وہ اپنے غور وفکر سے اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے اس کی زندگی اتنی بے وقعت نہیں ہو سکتی کہ اسے ’’چار دن‘‘ کی زندگی کا عنوان دے کر فضول خواہشات کی نذر کر دیا جائے۔ بہر حال یہ بات عقل اور منطق ہی کے خلاف ہے کہ انسان جیسی اشرف المخلوقات اور مسجودِ ملائک ہستی کی زندگی محض تیس‘ چالیس یا پچاس برس کے دورانیے تک ہی محدود ہو۔ اس حوالے سے علامہ اقبال کا فلسفہ بہت بصیرت افروز اور مبنی بر حقیقت ہے۔ علامہ کے نزدیک انسانی زندگی وقت کے ایسے جاودانی تسلسل کا نام ہے جسے پیمانہ امروز وفردا سے ناپنا ممکن ہی نہیں: ؎

تُو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں‘ پیہم دواں‘ ہر دم جواں ہے زندگی!

﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۪ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾﴾

’’یقیناً آپ (ﷺ) کا ربّ خوب جانتا ہے اُن کو بھی جو اُس کی راہ سے بھٹک گئے ہیں اور وہ خوب جانتا ہے اُن کو بھی جو ہدایت پر ہیں۔‘‘

آیت ۳۱ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ﴾ ’’اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے‘‘

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا﴾ ’’تاکہ وہ بدلہ دے اُن کو جنہوں نے بُرائیاں کمائی ہیں ان کے اعمال کا‘‘

﴿وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾﴾ ’’اور بدلہ دے اُن کو جنہوں نے نیک کام کیے ہیں اچھا۔‘‘

آیت ۳۲ ﴿اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ﴾ ’’وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں سوائے کچھ آلودگی کے۔‘‘

یہاں پر لَمَم سے مراد صغائر ہیں[1]۔ یہ مضمون اس سے پہلے سورۃ النساء‘ آیت ۳۱ اور سورۃ الشوریٰ‘ آیت ۳۷ میں بھی آ چکا ہے اور اب یہاں تیسری مرتبہ آیا ہے۔ مذکورہ آیات کے ضمن میں اس مضمون کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ چھوٹی

۱۔ عربی میں ’’لَمَم‘‘ کا لفظ کسی چیز کی تھوڑی سی مقدار‘ یا اس کے خفیف سے اثر‘ یا اُس کے محض قرب‘ یا اُس کے ذرا سی دیر رہنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ مفسّرین نے ’’لَمَم‘‘ کی تفسیر میں کئی قول نقل کیے ہیں۔ بعض کے نزدیک گناہ کے جو خیالات دل میں آئیں مگر ان پر عمل نہ کیا جائے وہ ’’لَمَم‘‘ ہیں۔ بعض نے صغیرہ گناہ مراد لیے ہیں۔ بعض نے کہا کہ آدمی جس گناہ پر اصرار نہ کرے یا اُسے اپنی عادت نہ بنا لے یا جس گناہ سے توبہ کر لے وہ مراد ہیں۔ بعض نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ آدمی عملاً کسی بڑے گناہ کے قریب تک پہنچ جائے مگر اس کا ارتکاب نہ کرے۔ (حاشیہ از مرتّب)

چھوٹی چیزوں کے بارے میں بہت زیادہ متفکّر بھی نہ ہوا جائے اور دوسروں سے درگزر سے بھی کام لیا جائے۔

یہاں اس حوالے سے میں آپ کی توجّہ اس تلخ حقیقت کی طرف دلانا چاہتا ہوں کہ ہمارے معاشرے میں ہر شخص کسی نہ کسی دلیل کے ساتھ ایک دو کبائر کو اپنے لیے ''جائز'' قرار دے لیتا ہے (اِلّا ماشاء اللہ)۔ فیکٹری کا مالک کہتا ہے کہ کیا کریں جی! سود کے بغیر تو ہمارے ملک میں کاروبار کا کوئی تصوّر ہی نہیں۔ اب مجبوری ہے' کیا کریں! فیکٹری بند کر کے تو نہیں بیٹھ سکتے نا۔ سرکاری ملازم کہتا ہے کہ سکولوں کی فیسیں' گھر کا کرایہ' یوٹیلیٹی بلز کہاں سے ادا کروں؟ تنخواہ میں تو کسی طرح بھی گزارا ممکن نہیں۔ اب اگر رشوت نہیں لیں گے تو ظاہر ہے بھوکوں مریں گے! غرض ہر شخص نے اپنے ضمیر کے سامنے اپنی مجبوری کا رونا رو کر کبائر میں سے کم از کم ایک گناہ کو اپنا لیا ہے اور ضمیر کی تسلی کے لیے اپنی تمام تر ترجیحات صغائر سے ''پرہیز'' کی طرف منتقل کر دی ہیں۔ اس حوالے سے یہ لوگ صغائر سے متعلق مسائل بھی دریافت کرتے ہیں' پھر ان مسائل پر بحثیں بھی ہوتی ہیں اور ان کے بارے میں دوسروں پر اعتراضات بھی کیے جاتے ہیں' بلکہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑوں کی وجہ سے ''من دیگرم تو دیگری'' (مَیں اور ہوں' تم اور ہو) کے فتوے بھی صادر کیے جاتے ہیں۔ اس معاملے میں کوئی بھی اللہ کا بندہ یہ نہیں سوچتا (الّا ماشاء اللہ!) کہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ میں اس چند روزہ زندگی کی آسانیوں اور عیاشیوں کے بدلے اصل زندگی کو تو قربان نہ کروں۔ اگر ایک کام سے جائز طور پر گزارا نہیں ہوتا تو کوئی دوسرا کام کر لوں' یا اپنی ضروریات کو سکیڑ کر کم وسائل کے ساتھ زندگی بسر کر لوں' مگر حرام تو نہ کھاؤں!

﴿اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ﴾ ''یقیناً آپؐ کا ربّ بہت ہی وسیع مغفرت والا ہے۔''

اُس کا دامنِ مغفرت بہت وسیع ہے۔ اہلِ ایمان بندے اگر کبائر و فواحش سے اجتناب کرتے رہیں تو وہ ان کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں پر گرفت نہیں کرے گا اور اپنی رحمتِ بے پایاں کی وجہ سے ان کو معاف فرما دے گا۔

﴿هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ﴾ ''وہ تمہیں خوب جانتا ہے' جبکہ اُس نے تمہیں زمین سے اٹھایا اور جب کہ تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں جنین کی شکل میں تھے۔''

﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝۳۲﴾ ''تو تم خود کو بہت پاکباز نہ ٹھہراؤ۔ وہ اُسے خوب جانتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے۔''

یعنی اپنے نفس کی پاکی کے دعوے نہ کرو' وہی بہتر جانتا ہے کہ واقعتاً متقی کون ہے۔ دراصل اپنی پرہیزگاری کا ڈھنڈورا پیٹنے کی ضرورت اس شخص کو ہی محسوس ہوتی ہے جس کا دل ''تھوتھا چنا باجے گھنا'' کے مصداق تقویٰ سے خالی ہو۔ جہاں تقویٰ کی روح کو نظر انداز کیا جا رہا ہوگا وہاں سارا زور تقویٰ کے مظاہر پر ہوگا۔ اندر سے حرام خوری جاری ہوگی اور اس کو چھپانے کے لیے اوپر سے چھوٹی چھوٹی دینی علامات کو اپنا کر تقویٰ کا لبادہ اوڑھ رکھا ہوگا۔

آیات ۳۳ تا ۶۲

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ۝۳۳ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ۝۳۴ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ
الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ۝۳۵ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝۳۶
وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ۝۳۷ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝۳۸ وَاَنْ
لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝۳۹ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝۴۰ ثُمَّ
يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۝۴۱ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۝۴۲ وَاَنَّهٗ هُوَ
اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۝۴۳ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۝۴۴ وَاَنَّهٗ خَلَقَ
الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝۴۵ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۝۴۶ وَاَنَّ
عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ۝۴۷ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۝۴۸ وَاَنَّهٗ هُوَ
رَبُّ الشِّعْرٰى ۝۴۹ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ۨ الْاُوْلٰى ۝۵۰ وَثَمُوْدَا فَمَآ
اَبْقٰى ۝۵۱ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ
وَاَطْغٰى ۝۵۲ وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝۵۳ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۝۵۴ فَبِاَيِّ
اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ۝۵۵ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ۝۵۶ اَزِفَتِ
الْاٰزِفَةُ ۝۵۷ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ۝۵۸ اَفَمِنْ هٰذَا
الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ۝۵۹ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ۝۶۰ وَاَنْتُمْ
سٰمِدُوْنَ ۝۶۱ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝۶۲

آیت ۳۳ ﴿اَفَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ تَوَلّٰی ﴿۳۳﴾﴾ ’’پھر (اے نبی ﷺ!) کیا آپ نے اُس شخص کو بھی دیکھا جس نے پیٹھ موڑ لی؟‘‘

آیت ۳۴ ﴿وَاَعۡطٰی قَلِیۡلًا وَّ اَکۡدٰی ﴿۳۴﴾﴾ ’’تھوڑا سا دیا اور پھر سخت ہو گیا۔‘‘

عام مفسّرین کی رائے یہ ہے کہ ان آیات میں ولید بن مغیرہ کا تذکرہ ہے‘ مجھے بھی اس رائے سے اتفاق ہے۔ تاریخ میں اس شخص کے بارے میں جو معلومات ملتی ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذہنی طور پر ایمان لانے کے قریب پہنچ چکا تھا‘ مگر پھر اچانک اسے اپنی چودھراہٹ یاد آ گئی۔ حق جوئی کی خواہش پر عصبیت کا جذبہ غالب آ گیا اور یوں اس نے اپنی سوچ دوبارہ بدل لی۔ یہاں اُس کے اسی رویّے کا ذکر ہے۔ سورۃ المدثر میں اس شخص کا تذکرہ قدرے تفصیل سے آیا ہے۔

آیت ۳۵ ﴿اَعِنۡدَہٗ عِلۡمُ الۡغَیۡبِ فَہُوَ یَرٰی ﴿۳۵﴾﴾ ’’کیا اُس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ دیکھ رہا ہے!‘‘

آیت ۳۶ ﴿اَمۡ لَمۡ یُنَبَّاۡ بِمَا فِیۡ صُحُفِ مُوۡسٰی ﴿۳۶﴾﴾ ’’کیا اُسے خبر نہیں پہنچی اس بارے میں جو کچھ موسیٰؑ کے صحیفوں میں تھا؟‘‘

آیت ۳۷ ﴿وَ اِبۡرٰہِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی ﴿۳۷﴾﴾ ’’اور ابراہیمؑ کے (صحیفوں میں تھا) جس نے وفا کی انتہا کر دی!‘‘

صُحفِ ابراہیمؑ اور صُحفِ موسیٰؑ کا ذکر سورۃ الاعلیٰ میں بھی آیا ہے: ﴿اِنَّ ہٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰی ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ مُوۡسٰی ﴿۱۹﴾﴾ ’’یہی بات پہلے صحیفوں میں (مرقوم) ہے‘ (یعنی) ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں‘‘۔ صُحفِ موسیٰ تو عہد نامہ قدیم (Old Testament) کی پہلی پانچ کتابوں کی شکل میں آج بھی موجود ہیں‘ البتہ صُحفِ ابراہیمؑ کے بارے میں کسی کو کچھ خبر نہیں۔ اس حوالے سے میرا گمان ہے (واللہ اعلم) کہ ہندوؤں کے اُپنشد صُحفِ ابراہیمؑ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ (اس موضوع پر مزید تفصیل سورۂ طٰہٰ کی آیت ۹۸ کے تحت ملاحظہ ہو۔) حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں سے جس بات کا یہاں حوالہ دیا جا رہا ہے وہ یہ ہے:

آیت ۳۸ ﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ﴿۳۸﴾﴾ ’’کہ نہیں اٹھائے گی کوئی جان کسی دوسری

جان کے بوجھ کو۔‘‘

قیامت کے دن ہر شخص اپنی ذِمّہ داریوں کے لیے خود جواب دہ ہو گا۔ وہاں کوئی کسی کی مدد کو نہیں آئے گا‘ جیسا کہ سورۂ مریم کی اس آیت میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے: ﴿وَ کُلُّہُمۡ اٰتِیۡہِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فَرۡدًا ﴿۹۵﴾﴾ کہ اُس دن ہر شخص اکیلا حاضر ہو گا۔ ماں باپ‘ اولاد‘ عزیز و اقارب میں سے کوئی اس کے ساتھ نہیں ہو گا۔

آیت ۳۹ ﴿وَ اَنۡ لَّیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴿۳۹﴾﴾ ’’اور یہ کہ انسان کے لیے نہیں ہے مگر وہی کچھ جس کی اُس نے سعی کی ہو گی۔‘‘

انسان کو جو کچھ کرنا ہو گا اپنی محنت اور کوشش کے بل پر کرنا ہو گا‘ خواہشوں اور تمنّاؤں سے کچھ نہیں ہو گا۔ قبل ازیں آیت ۲۴ میں سوال کیا گیا تھا کہ ’’کیا انسان کو وہی کچھ مل جائے گا جس کی وہ تمنّا کرے گا؟‘‘ یہ آیت گویا مذکورہ سوال کا جواب ہے۔

آیت ۴۰ ﴿وَ اَنَّ سَعۡیَہٗ سَوۡفَ یُرٰی ﴿۴۰﴾﴾ ’’اور یہ کہ اُس کی سعی عنقریب اُسے دکھا دی جائے گی۔‘‘

سورۃ الزلزال میں اس مضمون کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے: ﴿فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ﴿۷﴾ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ﴿۸﴾﴾ ’’تو جس نے ذرّہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اسے دیکھ لے گا‘ اور جس نے ذرّہ برابر بُرائی کی ہو گی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔‘‘

آیت ۴۱ ﴿ثُمَّ یُجۡزٰىہُ الۡجَزَآءَ الۡاَوۡفٰی ﴿۴۱﴾﴾ ’’پھر اُس کو بدلہ دیا جائے گا پورا پورا بدلہ۔‘‘

آیت ۴۲ ﴿وَ اَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الۡمُنۡتَہٰی ﴿۴۲﴾﴾ ’’اور یہ کہ بالآخر پہنچنا تمہارے رب ہی کی طرف ہے۔‘‘

آیت ۴۳ ﴿وَ اَنَّہٗ ہُوَ اَضۡحَکَ وَ اَبۡکٰی ﴿۴۳﴾﴾ ’’اور یہ کہ وہی ہے جو ہنساتا بھی ہے اور رلاتا بھی ہے۔‘‘

یعنی اچھے بُرے حالات‘ خوشی‘ غم‘ تکلیف‘ بیماری سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔

آیت ۴۴ ﴿وَ اَنَّہٗ ہُوَ اَمَاتَ وَ اَحۡیَا ﴿۴۴﴾﴾ ’’اور یہ کہ وہی ہے جو مارتا بھی ہے اور زندہ بھی رکھتا ہے۔‘‘

آیت ۴۵ ۴۶ ﴿وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝۴۵ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۝۴۶﴾ ''اور یہ کہ وہی ہے جس نے پیدا کیے ہیں جوڑے نر اور مادہ کے' ایک ہی بوند سے جبکہ وہ ٹپکائی جاتی ہے۔''

آیت ۴۷ ﴿وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ۝۴۷﴾ ''اور یہ کہ اُسی کے ذِمّے ہے دوبارہ اٹھانا۔''

یہاں یہ نکتہ بہت اہم اور لائقِ توجّہ ہے کہ انسانوں کو دوبارہ اٹھانا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذِمّہ لیا ہے۔ گویا انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے ان کا احتساب کرنا اللہ تعالیٰ کے انصاف کا لازمی تقاضا ہے۔ اگر وہ انسانوں کو دوبارہ نہیں اٹھاتا اور ان کو ان کے اچھے برے اعمال کا بدلہ نہیں دیتا تو نیکوکار لوگوں کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہو جائے گا۔ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی بھی آزمائشوں اور مصیبتوں میں گزاری۔ ساری زندگی وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے رہے' حرام خوریوں سے بچنے کے لیے روکھی سوکھی کھا کر گزارا کرتے رہے۔ اگر انہیں ان کی محنتوں اور قربانیوں کا صلہ نہیں ملتا تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا؟

آیت ۴۸ ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۝۴۸﴾ ''اور یہ کہ اُسی نے دولت دی اور اُسی نے خزانہ دیا۔''

اَقْنٰی چونکہ باب افعال سے ہے' جس کی خصوصیات میں ''سلب ماخذ'' بھی ہے' چنانچہ اس کا ترجمہ اَفْقَرَ بھی کیا گیا ہے۔ یعنی اُس نے کسی کو غنی اور کسی کو فقیر بنا دیا۔

آیت ۴۹ ﴿وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۝۴۹﴾ ''اور یہ کہ وہی شِعریٰ کا بھی ربّ ہے۔''

الشِّعریٰ وہ ستارہ تھا جس کی مختلف اقوام میں پوجا کی جاتی تھی۔ یہ ستارہ اس حیثیت سے اہلِ عرب کے ہاں بھی معروف تھا۔ اس لیے انہیں بتایا گیا کہ جسے تم لوگ الٰہ مانتے ہو اس کا رب بھی اللہ ہی ہے۔ تمہاری قسمت کے فیصلے یہ ستارہ نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے۔

آیت ۵۰ ﴿وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ِۨالْاُوْلٰى ۝۵۰﴾ ''اور یہ کہ اُسی نے ہلاک کیا تھا عادِ اُولیٰ کو۔''

''عادِ اولیٰ'' سے مراد قدیم قومِ عاد ہے' جس کی طرف حضرت ہود علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔ یہ قوم اَحقاف کے علاقے میں آباد ہوئی۔ اس قوم پر جب عذاب بھیجنے کا فیصلہ ہوا تو حضرت ہودؑ

اپنے اہلِ ایمان ساتھیوں کے ہمراہ اس علاقے سے ہجرت کر گئے۔ ان لوگوں کی نسل سے جو قوم وجود میں آئی وہ ''ثمود'' کہلائی۔ لیکن وہ لوگ چونکہ قومِ عاد ہی کی نسل سے تھے اس لیے انہیں ''عادِ ثانیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

آیت ۵۱ ﴿وَثَمُوْدَا ۡفَمَآ اَبْقٰى ۝۵۱﴾ ''اور ثمود کو بھی' پس کسی کو باقی نہ چھوڑا۔''

آیت ۵۲ ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ﴾ ''اور قومِ نوحؑ کو بھی (ہلاک کیا) ان سے پہلے۔''

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ۝۵۲﴾ ''یقیناً وہ تو ان سے بڑھ کر ظالم اور ان سے بڑھ کر سرکش تھے۔''

آیت ۵۳ ﴿وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ۝۵۳﴾ ''اور (اُسی نے) الٹی ہوئی بستیوں کو پٹخ دیا۔''

اس سے سدوم اور عامورہ یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں مراد ہیں۔

آیت ۵۴ ﴿فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ۝۵۴﴾ ''اور پھر اس کو ڈھانپ لیا جس چیز نے ڈھانپ لیا۔''

پہلے شدید زلزلے نے ان آبادیوں کو تلپٹ کیا اور اس کے بعد ان پر کنکروں کی بارش ہوئی۔ یہاں اس آیت میں اس بارش کی طرف اشارہ ہے یعنی کنکروں کی بارش نے اس علاقے کو ڈھانپ لیا۔

آیت ۵۵ ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ۝۵۵﴾ ''تو تم اپنے رب کی کون کون سی قدرتوں کے بارے میں شک کرو گے؟''

آیت ۵۶ ﴿هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ۝۵۶﴾ ''یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ایک خبردار کرنے والے ہیں' پہلے خبردار کرنے والوں (کے زمرے) میں سے۔''

نذیر کے معنی ہیں: ڈرانے والا' آگاہ کرنے والا' خبردار (warn) کرنے والا' اور النُّذُر اسی کی جمع ہے۔

آیت ۵۷ ﴿اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۝۵۷﴾ ''قریب آ چکی ہے وہ آنے والی۔''

آیت ۵۸ ﴿لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ۝۵۸﴾ ''نہیں ہے اس کو اللہ کے سوا کوئی کھولنے والا۔''

قیامت برپا کرنے کا اختیار صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ گویا اس وقت قیامت کسی کشتی کی طرح ''لنگر انداز'' ہے' اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس کا لنگر اٹھا کر اسے برپا کر دے گا۔ پھر یہ کہ اس

کے وقوع کا علم بھی اللہ ہی کے پاس ہے۔ اللہ کے سوا کوئی کھول کر نہیں بتا سکتا کہ قیامت کب آئے گی۔ اور جب وہ وقتِ معیّن آ جائے گا تو اللہ کے سوا کوئی اس کو ٹالنے اور دور کرنے پر قادر نہ ہوگا۔

آیت ۵۹ ﴿اَفَمِنۡ هٰذَا الۡحَدِیۡثِ تَعۡجَبُوۡنَ ﴿۵۹﴾﴾ ’’تو کیا تم لوگوں کو اس کلام کے بارے میں تعجب ہو رہا ہے؟‘‘

هٰذَا الۡحَدِیۡثِ سے مراد یہاں قرآن مجید ہے‘ یعنی کیا تم لوگ قرآن کے بارے میں تعجب کر رہے ہو؟

آیت ۶۰ ﴿وَ تَضۡحَکُوۡنَ وَ لَا تَبۡکُوۡنَ ﴿۶۰﴾﴾ ’’اور تم ہنستے ہو اور روتے نہیں ہو!‘‘

آیت ۶۱ ﴿وَ اَنۡتُمۡ سٰمِدُوۡنَ ﴿۶۱﴾﴾ ’’اور تم خوش فعلیاں کر رہے ہو!‘‘

آیت ۶۲ ﴿فَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ وَ اعۡبُدُوۡا ﴿۶۲﴾﴾ ’’پس سجدہ کرو اللہ کے لیے اور اُسی کی بندگی کرو!‘‘

روایات میں آتا ہے کہ حضور ﷺ نے پہلی مرتبہ یہ سورت حرمِ کعبہ میں قریش کے ایک بڑے مجمع کے سامنے تلاوت فرمائی تھی۔ اس مجمع میں اہلِ ایمان بھی تھے اور مشرکین کے خواص و عوام بھی۔ اس کلام کی شدّتِ تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب آپ ﷺ نے اسے سنانا شروع کیا تو مخالفین کو اس پر شور مچانے کی ہمت نہ ہوئی اور حضور ﷺ نے جب یہ آخری آیت تلاوت فرمانے کے بعد سجدہ کیا تو آپؐ کے ساتھ مسلم وکافر سبھی سجدہ میں گر گئے۔ بعد میں مشرکین کو سخت پریشانی لاحق ہوئی کہ یہ ہم نے کیا کیا۔ آخر کار انہوں نے اپنے سجدے کے جواز میں یہ بات بتائی کہ ہم نے تو لات‘ عُزّٰی اور منات کے ذکر (آیت ۱۹ اور ۲۰) کے بعد محمد (ﷺ) کی زبان سے یہ کلمات بھی سنے تھے: تلک الغرانِقۃُ العُلٰی‘ وانَّ شفاعتھن لتُرتجی (یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں‘ اور ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے)۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ کلمات سننے کے بعد ہم نے سمجھا کہ محمد (ﷺ) نے ہماری دیویوں کو بھی تسلیم کر لیا ہے‘ لہٰذا اب ان کے ساتھ ہمارا جھگڑا ختم ہو گیا ہے۔ حالانکہ اس پوری سورت کے سیاق و سباق میں ان فقروں کی کوئی جگہ ممکن ہی نہیں جن کے بارے میں ان کا دعویٰ تھا کہ ان کے کانوں نے سنے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مشرکین کے سجدہ میں گر جانے کا واقعہ کلامِ الٰہی کی غیر معمولی تاثیر اور خصوصی طور پر اس سورت کے پُرجلال اندازِ خطابت کے باعث پیش آیا تھا۔ ہمارا معاملہ تو یہ ہے کہ ہم کلام اللہ کے ادبی

جمال‘ اس کی فصاحت و بلاغت کی لطافتوں اور خطابت کی چاشنی کا صحیح ادراک نہیں کر سکتے۔ مگر اس کے اوّلین مخاطبین تو اہلِ زبان تھے۔ پھر نزولِ قرآن کے زمانے کے عرب معاشرے میں سخن گوئی اور سخن فہمی کا مجموعی ذوق بھی عروج پر تھا۔ وہ لوگ قرآن مجید کے ادبی و لسانی محاسن کو خوب سمجھتے تھے‘ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کے بڑے بڑے شعراء‘ ادباء اور خطباء قرآن مجید کے اعجازِ بیان کے سامنے سرنگوں ہو چکے تھے۔ ظاہر ہے اچھے کلام کی تاثیر سے تو کسی کو بھی انکار نہیں۔ خود حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً))[۲] ’’یقیناً بہت سے اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں‘‘۔ نیز فرمایا: ((اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا))[۳] ’’یقیناً بہت سے خطبات جادو کی سی تاثیر رکھتے ہیں‘‘۔ زورِ خطابت اور تاثیر کے اعتبار سے اگرچہ قرآن مجید کی ہر آیت ہی لاجواب ہے مگر سورۃ النجم اس حوالے سے خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کے تناظر میں مذکورہ واقعہ کی توجیہہ یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے اس سورت کی تلاوت شروع کی تو تمام حاضرینِ مجمع دم بخود ہو کر سننے میں محو ہو گئے۔ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہونے والا ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرہ ان کی روحوں کی گہرائیوں تک اترتا گیا۔ خصوصاً مشرکین کی کیفیت تو ایسی تھی کہ تلاوت کے اختتام تک وہ گویا مبہوت ہو چکے تھے۔ چنانچہ اختتامِ تلاوت پر جب حضور ﷺ اور مجمع میں موجود اہلِ ایمان سجدہ میں گئے تو ﴿فَاسۡجُدُوۡا لِلّٰهِ﴾ کے حکم کی تاثیر‘ ہیبت اور جلالت کی تاب نہ لاتے ہوئے سب کے سب مشرکین بھی بے اختیار سجدے میں گر گئے۔ گویا وہ اسی طرح سجدے میں گرا دیے گئے (واللہ اعلم!) جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آئے ہوئے جادوگر سجدوں میں گرا دیے گئے تھے: ﴿وَ اُلۡقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیۡنَ ﴿۱۲۰﴾﴾ (الاعراف)۔ واضح رہے کہ سورۃ الاعراف کی اس آیت میں فعل مجہول (اُلۡقِیَ) استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایسے لگا جیسے انہیں کسی نے پکڑ کر سجدے میں گرا دیا ہو۔

۞ ۞ ۞

۲۔ صحیح البخاری‘ کتاب الادب‘ باب ما یجوز من الشعر والرجز والحداء... وسنن الترمذی‘ کتاب الادب‘ باب ما جاء ان من الشعر حکمۃ۔

۳۔ صحیح البخاری‘ کتاب الطب‘ باب ان من البیان سحرًا۔ وصحیح مسلم‘ کتاب الجمعۃ‘ باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ۔

روحِ اعتکاف
اور
عظمتِ لیلۃ القدر

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فکر انگیز خطاب

بانی تنظیم اسلامی نے یہ خطاب ۲۰ رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ کو کراچی میں ایک اجتماعِ جمعہ سے فرمایا تھا' جسے اوّلاً 'میثاق' کے شمارہ مئی ۱۹۸۸ء میں اور پھر ازسرِنو مرتّب کر کے فروری مارچ ۱۹۹۵ء کے مشترکہ شمارے میں شائع کیا گیا تھا۔ ۲۶ سال بعد یہ فکر انگیز خطاب ایک بار پھر ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔

قرآن حکیم میں روزے اور اس کے متعلّقات کا ذکر

قرآن مجید میں سورۃ البقرۃ کا ۲۳واں رکوع اس اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں روزے سے متعلق تمام مضامین یکجا ہو کر آ گئے ہیں۔ چنانچہ چھ آیات پر مشتمل اس رکوع میں جہاں روزے کا حکم' اس کی حکمت اور اس کے تفصیلی احکام بیان ہوئے ہیں وہاں روزے کی عبادت کے لیے خصوصی طور پر ماہِ رمضان کے انتخاب کی حکمت' روزے کا دعا اور رزقِ حلال سے ربط و تعلق بھی واضح کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں رمضان المبارک کی خصوصی عبادت ''اعتکاف'' کا ذکر اس رکوع کی پانچویں آیت میں وارد ہوا ہے جس میں رمضان اور روزے کے معاملات زیر بحث آئے ہیں۔ فرمایا گیا:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾﴾

''حلال کیا گیا ہے تمہارے لیے روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی عورتوں سے' وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو اُن کی۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے' سو اُس نے تم پر نظرِ رحمت فرمائی اور تمہیں معاف کر دیا۔ پس اب تم ان سے مباشرت کرو اور طلب کرو اُس کو جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے (یعنی اولاد)۔ اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف جُدا نظر آئے تم کو صبح کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے' پھر پورا کرو روزے کو رات تک۔ اور مباشرت نہ کرو عورتوں سے جب کہ تم حالتِ اعتکاف میں ہو مسجدوں میں۔ یہ اللہ کی (مقرّر کردہ) حدیں ہیں' سو ان کے نزدیک نہ جاؤ۔ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لیے تاکہ وہ تقویٰ کی روش اختیار کر سکیں۔''

اس رکوع کی تیسری آیت ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ .....الخ﴾ کے مطابق اس ماہِ مبارک کی عظمت کی اساس یہ ہے کہ یہ نزولِ قرآن کا مہینہ ہے اور اس کا پروگرام دوگونہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ اس میں ایک تو فرض ہے یعنی دن کا روزہ اور ایک کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اگرچہ فرض تو قرار نہیں دیا' البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی ترغیب و تشویق کے ذریعہ سے اس کی طرف اُمّت کو توجّہ دلائی ہے اور اس کا خصوصی اہتمام کرنے کی تاکید فرمائی ہے یعنی قیام اللیل کا پروگرام۔ رات کو اپنے ربّ کے حضور دست بستہ کھڑے ہو کر اُس کے کلام کو سننا۔ اس کی ایک معیّن مقدار بیس رکعات صلوٰۃ التراویح کی شکل میں اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ثابت نہیں ہے لیکن

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورے سے یہ نظام مقرر کیا جو تواتر کے ساتھ اُمّت میں چلا آ رہا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اگر لوگ ساری رات نہ جاگ سکیں تو عربی کے ایک محاورے ''مَا لَا یُدرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ'' کے مصداق نمازِ عشاء کے بعد کم از کم ایک ڈیڑھ گھنٹہ تو قرآن کے ساتھ جاگیں۔ لیکن فی الواقع مطلوب یہی ہے کہ تمام رات اسی کیفیت میں بسر ہو جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ..... وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ ..... وَمَنْ قَامَ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ))(رواہ البخاری ومسلم)

''جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے اس کے پچھلے گناہ بخش دیے گئے..... اور جس نے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا (قرآن سننے اور سنانے کے لیے) ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے اس کی بھی پچھلی خطائیں بخش دی گئیں..... اور جو لیلۃ القدر میں کھڑا رہا (قرآن پڑھنے یا سننے کے لیے) ایمان کی حالت میں ثواب کی نیت سے اس کے بھی تمام سابقہ گناہ معاف کر دیے گئے۔''

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان ہے:

((اَلصِّیَامُ وَالْقُرْآنُ یَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَقُوْلُ الصِّیَامُ : اَیْ رَبِّ اِنِّیْ مَنَعْتُہُ الطَّعَامَ وَالشَّھَوَاتِ بِالنَّھَارِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ ، وَیَقُوْلُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُہُ النَّوْمَ بِاللَّیْلِ فَشَفِّعْنِیْ فِیْہِ، فَیُشَفَّعَانِ)) (رواہ احمد والطبرانی والبیھقی ، صححہ الالبانی فی صحیح الجامع)

''روزہ اور قرآن قیامت کے روز بندے کے حق میں شفاعت کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا: اے ربّ، مَیں نے اس شخص کو دن کے وقت کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا پس تُو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ اور قرآن یہ کہے گا کہ اے پروردگار! مَیں نے اسے رات کے وقت سونے سے روکے

رکھا لہٰذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بشارت دیتے ہیں کہ) پھر دونوں کی سفارش اس بندے کے حق میں قبول کی جائے گی۔''

اب آپ غور کیجیے کہ جیسے روزے کی بندش صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کی ہے، دو چار گھنٹے کی نہیں ہے، ویسے ہی مطلوب یہ ہے کہ رمضان المبارک کی پوری رات اس عالَم میں بسر ہو کہ قرآن مجید کے ساتھ ہر مسلمان کا از سرِ نو ایک ذہنی و قلبی ربط و تعلق قائم ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ قرآن حکیم کی عظمت منکشف ہو گی اور قرآن کو پڑھنے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کا عزم دل میں پروان چڑھے گا۔

اس کے بعد اس رکوع کی چوتھی آیت میں روزہ اور دعا کا ربط و تعلق ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾﴾

''(اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم!) میرے بندے جب آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو ان سے کہہ دیجیے کہ مَیں قریب ہی ہوں۔ مَیں ہر دعا کرنے والے کی دعا کو سنتا ہوں (قبول کرتا ہوں) جب وہ مجھے پکارتا ہے، البتہ انہیں بھی چاہیے کہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ وہ راہ یاب ہو سکیں۔''

یعنی کامیابی اور کامرانی اسی راستہ سے حاصل ہو گی کہ وہ میری پکار پر لبّیک کہیں اور مجھ پر ایمان رکھیں۔ محض دعائیں مانگنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ یعنی اس کا دوسرا رخ کیا ہے! یہ کہ تم میری باتیں مانو، تو مَیں تمہاری مانوں گا، جیسے قرآن میں ایک اور مقام پر فرمایا گیا: ﴿فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ﴾ (البقرۃ:۱۵۲) یعنی ''تم مجھے یاد رکھو مَیں تمہیں یاد کروں گا''۔ اور ﴿اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ﴾ (محمد:۷) یعنی ''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔''

مَیں چاہوں گا کہ اس بات کو مزید واضح کروں کہ اللہ کی وہ پکار کیا ہے! جو حضرات میرے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن میں شرکت کر رہے ہیں ان کے سامنے اللہ کی یہ پکار بار بار آ رہی

ہے۔اس کی پہلی پکار یہ ہے کہ خود میرے مخلص بندے بن جاؤ اور میرے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرلو: ﴿فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۲﴾ (الزمر) ۔ دوسری پکار یہ ہے کہ میری دعوت کو عام کرو: ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۚ﴾ (النحل:۱۲۵) ''بلاؤ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت کے ساتھ اور عمدہ نصیحت اور وعظ کے ساتھ اور ان (منکرین) کے ساتھ مجادلہ کرو اور اس طریق پر جو بہترین ہو''۔اس کی تیسری پکار یہ ہے کہ ﴿اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ﴾ (الشوریٰ:۱۳) ''میرے دین کو قائم کرو''۔ مَیں نے دین اس لیے تو نہیں دیا کہ صرف اس کی مدح کرتے رہو' محض Lip service کرتے رہو۔ مَیں نے قرآن اس لیے تو نہیں اُتارا کہ صرف اس کی تلاوت کرلیا کرو۔ قرآن تو اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ ساتھ ہی تمہیں نظامِ عدل وقسط عطا فرمایا ہے تاکہ تم اس کو قائم کرو' نافذ کرو۔ اگر یہ نہیں کرتے ہو تو تم مجرم گردانے جاؤ گے کہ ﴿لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (الصف:۲) ''کیوں وہ کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو!''

خود احتسابی کی ضرورت

اگر آپ جائزہ لینا چاہیں کہ رمضان المبارک کی برکات سے آپ کو بھی کوئی حصّہ ملا ہے یا نہیں ملا تو اس اعتبار سے اپنا جائزہ لیجیے اور ''self assessment'' کیجیے' جیسے انکم ٹیکس میں آج کل یہ طریقہ رائج ہے' جائزہ لیجیے کہ کیا واقعی اللہ کی پکار پر لبیک کہنے کا کوئی جذبہ اُبھرا ہے؟ واقعی دل میں یہ عزم اور ارادہ پیدا ہوا ہے کہ اللہ کے احکام پر ہمہ تن کاربند رہوں گا' اس کا کوئی حکم نہیں ٹالوں گا' اس کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا! اللہ کا دین تو ہمارے پاس ایک امانت ہے اور ہمارے کاندھوں پر اس کی ذمہ داری ہے کہ ہم اسے دوسروں تک پہنچائیں' اس کی تبلیغ کریں' اس کی دعوت دیں اور اس کے غلبہ کی جِدّوجُہد کریں۔ کیا واقعی یہ جذبہ ابھرا ہے کہ ہم تن من دھن لگا دیں گے' گردنیں کٹوا دیں گے لیکن اللہ کے دین کو غالب کریں گے! اگر یہ ہوا ہے تو مبارک ہے۔ پھر تو آپ نے رمضان المبارک سے صحیح استفادہ کیا ہے۔ اور اگر نہیں ہوا تو ..... بُرا نہ مانیے گا ..... نیکیاں کمانے

اور تقویٰ حاصل کرنے کا موسم بہار آیا اور چلا گیا' اس سے آپ نے کوئی استفادہ نہیں کیا' ایک رسم ہے جو ادا کر لی گئی' فاقے ہیں جو کر لیے گئے ہیں' حقیقت میں یہ روزے نہیں ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ایک فرمان سن لیجیے: ((رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ اِلَّا الْجُوْعُ)) (رواہ ابن ماجہ والنسائی) یعنی ''کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنہیں اپنے روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا''۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اس شعر کا مصداق بن رہے ہوں ؎

اس آرزو کے باغ میں آیا نہ کوئی پھول
اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے!

تو یہ بہار کے دن نکلے جا رہے ہیں۔ اب اس ماہِ مبارک کا آخری عشرہ رہ گیا ہے۔ اللہ توفیق دے تو اب بھی موقع ہے کہ ان دس دنوں سے بھرپور استفادہ کریں اور آگ سے بچنے کا سامان کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے شعبان کے آخری دن جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس کے آخر میں یہی الفاظ آتے ہیں: ((وَهُوَ شَهْرٌ اَوَّلُهٗ رَحْمَةٌ وَاَوْسَطُهٗ مَغْفِرَةٌ وَآخِرُهٗ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ)) (رواہ البیہقی) یعنی اس ماہِ رمضان کے تین عشرے ہیں: پہلا رحمت ہے' دوسرا مغفرت ہے اور تیسرا جہنم سے نجات پانے کا ذریعہ ہے۔ گویا یہ آخری عشرہ گردنوں کو آگ سے چھڑا لینے کا بہترین موقع ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس عشرے کی برکات سے مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

عباداتِ رمضان کا نقطۂ عروج: اعتکاف

اس آخری عشرے میں ایک خاص عبادت ہے' جسے یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ رمضان المبارک کے پورے پروگرام کا نقطۂ عروج ہے۔ جس طرح ہر چیز تدریجاً ترقی کرتی ہے اور ایک نقطۂ عروج و کمال کو پہنچ جاتی ہے' اسی طرح رمضان المبارک کے پروگرام کا بھی ایک عروج ہے اور وہ عروج ہے ''اعتکاف''۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب پھر اعتکاف کا چرچا اور اس کا شوق بڑھ رہا ہے۔ نوجوان بھی بڑی تعداد میں اس مسنون عبادت کو بڑے ذوق وشوق سے ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن اگر اس اعتکاف کی اصل حقیقت نگاہوں

کے سامنے نہ ہو تو نہ اس کا حق ادا ہوتا ہے اور نہ اس سے صحیح طور پر استفادہ ممکن ہوتا ہے۔ اچھی طرح جان لیجیے کہ اعتکاف درحقیقت ارتکازِ توجّہ کا نام ہے۔ کسی حقیقت پر توجّہ کو مرتکز کرنا‘ یہ ہے اعتکاف کا اصل حاصل۔

قرآن میں اعتکاف کا ذکر

قرآن مجید میں اعتکاف کا ذکر یا تو سورۃ البقرۃ کے ۲۳ویں رکوع کی پانچویں آیت (البقرۃ:۱۸۷) میں آیا ہے جس میں رمضان اور روزے کے معاملات زیر بحث آئے ہیں: ﴿وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ﴾ یا پھر سورۃ البقرۃ کے پندرہویں رکوع میں اس کا ذکر موجود ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام سے عہد لیا تھا کہ تم ہمارے اس گھر (بیت اللہ) کو طواف کرنے والوں‘ اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھنا: ﴿وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ١٢٥﴾ مزید برآں سورۃ الحج میں بھی یہ لفظ قریباً اسی سیاق و سباق میں وارد ہوا ہے۔ اس کے علاوہ یہ لفظ قرآن حکیم میں کثرت سے بُت پرستوں کے لیے آیا ہے۔ میں ابھی اس کی وضاحت کروں گا۔

سورۃ الاعراف (آیت ۱۳۸) میں فرمایا: ﴿وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰي قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓي اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ﴾ یعنی ’’اور پار اُتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو تو پہنچے ایک قوم پر جو پوجنے میں لگ رہے تھے اپنے بُتوں کے‘‘۔ پھر سورۃ الانبیاء میں ایک مرتبہ اور سورۂ طٰہٰ میں دو مرتبہ یہ لفظ بُت پرستوں کے لیے استعمال ہوا۔ مزید یہ کہ سورۃ الشعراء میں یہ مضمون بایں الفاظ آیا: ﴿قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ١٧﴾ یعنی ’’ان کافروں نے (حضرت ابراہیم علیہ السلام سے) کہا کہ ہم ان مورتیوں کو پوجتے ہیں‘ پھر دن بھر انہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں‘‘۔ بُت پرستوں کا یہ اعتکاف کیا ہے؟ ہندی کے دو الفاظ آپ میں سے اکثر حضرات نے سن رکھے ہوں گے: گیان اور دھیان۔ ’’گیان‘‘ کہتے ہیں معرفت کو اور ’’دھیان‘‘ ہے توجّہ کا ارتکاز‘ یعنی جسے بھی اپنا معبود مانا ہے اس سے لو لگانا۔ ہوتا یہ ہے کہ انسان اس حیاتِ دُنیوی میں کسی عقیدے کو ذہناً قبول

تو کر لیتا ہے کہ یہ بات صحیح ہے‘ لیکن اس کی طرف اس کی کامل توجّہ نہیں رہتی۔ پیٹ کا دھندا‘ بال بچوں کی پرورش اور تعلیم کی فکر اور بہت سے ذاتی اور گھریلو مسائل اسے گھیرے رکھتے ہیں۔ نتیجتاً زندگی کے اصل حقائق اس کے سامنے نہیں رہتے۔ اقبال کے اس خوبصورت شعر میں انسان کی اسی گمشدگی کا بیان ہے ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مؤمن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق!

بندۂ مؤمن کا دُنیا سے تعلق

مؤمن وہ ہوتا ہے جو اسی دُنیا میں رہتے ہوئے اس سے بالاتر ہو کر رہتا ہے۔ اس کی کیفیت گویا ع ’’بازار سے گزرا ہوں‘ خریدار نہیں ہوں‘‘ والی ہوتی ہے۔ مؤمن کی اصل دلچسپیاں اس دُنیا سے وابستہ نہیں ہوتیں‘ اس کا دل کہیں اور اٹکا ہوتا ہے۔ جیسے ایک حدیث میں الفاظ آئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ حشر کے میدان میں خاص اپنے عرشِ عظیم کے نیچے پناہ دے گا‘ اس حال میں کہ اُس دن کہیں اور سایہ نہیں ہوگا: ((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ)) ان سات میں سے ایک کی کیفیت ان الفاظ میں بیان ہوئی: ((وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ)) (صحیح ابن حبان) یعنی ’’وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہتا ہے‘‘۔ مسجد سے نکلتا تو ہے ضروریاتِ زندگی کے لیے کاروبارِ دنیا میں حصّہ بھی لیتا ہے لیکن اس میں اُسے دلی انہماک حاصل نہیں ہوتا‘ گویا وہ اپنا دل مسجد ہی میں چھوڑ جاتا ہے۔ مجبوراً باہر نکلتا ہے لیکن گوش برصدائے اذان رہتا ہے۔ چنانچہ جیسے ہی کانوں میں اذان کی آواز پڑی‘ دھندا بند کیا‘ اسے چھوڑا اور مسجد کی طرف لپکا۔ لیکن ہماری کیفیت تو یہ ہے کہ دل تو دنیا سے لگا ہوا ہے اور ہماری پوری کی پوری توجّہ دنیا اور اس کے جھمیلوں میں بھی الجھی رہتی ہے۔

اعتکاف کا اصل مقصود

رمضان کے پروگرام کی معراج یہ ہے کہ انسان آخری عشرے میں دنیا سے کٹ جائے۔ پہلے دو عشروں میں تم نے دن کا کھانا پینا چھوڑا‘ بھوک اور پیاس برداشت کی‘ رات

کا زیادہ حصّہ قرآن‘ نوافل اور ذکر واذکار کے ساتھ جاگتے رہے‘ اب اس کا نقطہ عروج یہ ہے کہ آخری عشرے میں دنیا سے کٹ جاؤ۔ دس دن کے لیے اللہ کی چوکھٹ پر آ کر بیٹھ جاؤ۔ دن میں روزہ رکھو اور رات کے زیادہ سے زیادہ حصّہ میں اللہ کی یاد میں اپنے آپ کو گم کر دو‘ تاکہ انسان کا جو معمول بن جاتا ہے‘ وہ ٹوٹے۔ آپ کو معلوم ہے کہ انسان اپنے روزمرہ کے معمولات کا غیر شعوری طور پر بھی اسی طرح عادی ہو جاتا ہے کہ ایک روٹین بن جاتی ہے‘ اس کا ایک چکر آپ سے آپ چلتا رہتا ہے۔ اس روٹین کو دس روز کے لیے توڑو اور آؤ اللہ کے گھر میں آ کر بیٹھو‘ اُس سے لو لگاؤ۔ یہ ہے دراصل اعتکاف کا مقصود! اصل محرومی یہ ہے کہ جو حضرات ہر سال مساجد میں اعتکاف کرتے ہیں ان کی اکثریت اس کی روح سے واقف نہیں ہے۔ اعتکاف کے لیے مسجد میں مقیم ہیں‘ لیکن گپیں ہو رہی ہیں‘ دنیوی گفتگوئیں بھی ہو رہی ہیں۔ یہ باتیں اگرچہ حرام نہیں ہیں کہ کوئی آپ سے ملنے آئے اور اگر ضرورت ہو تو آپ سے کوئی مشورہ بھی کر لے۔ لیکن ایک ہے کسی چیز کا جائز ہونا اور ایک ہے اس کی اصل روح۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اس اعتکاف کی اصل روح یہ ہے کہ ان دس دنوں کے لیے انسان اپنے آپ کو دنیا کے جھمیلوں سے منقطع کر لے۔ انسان پر اس دنیا کے مسائل کا جو غلبہ رہتا ہے اس سے اپنے آپ کو آزاد کرے۔ اپنی توجّہات کا رخ دنیا سے ہٹا کر اپنے مالک کی طرف موڑ لے۔ اگر اعتکاف میں بھی اہل و عیال‘ مال و منال اور کاروبار کی فکر ذہن و قلب پر مسلّط رہے اور یہاں بیٹھ کر بھی تمام معاملات کے لیے ہدایات جاری ہوتی رہیں‘ تو خود سوچیے کہ مسجد میں معتکف ہونے کا کیا فائدہ ہوا؟ آدمی سفر پر جاتا ہے تو وہاں سے بھی ٹیلی فون‘ ٹیلی گرام اور ٹیلیکس کے ذریعہ سے یہ کام کرتا ہی رہتا ہے۔ تو اگر یہی کام وہ اعتکاف کی حالت میں بھی کرتا رہے تو کیا فرق واقع ہوا؟ اعتکاف فرض تو ہے نہیں کہ ہر حال میں ادا کرنا ہے‘ خواہ طبیعت آمادہ ہو یا اس پر جبر کرنا پڑے۔ نماز چونکہ فرض ہے اس لیے بہر حال ادا کرنی ہے‘ چاہے حالتِ نماز میں کتنے ہی وسوسے آئیں‘ اس سے مفر نہیں۔ لیکن نفل نماز کے بارے میں تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر طبیعت آمادہ ہو‘ اس میں نشاط ہو‘ دل لگتا ہو تو ادا کرو‘ اس کو زبردستی اپنے اوپر فرض نہ

کر لو۔ یہی معاملہ اعتکاف کا ہے۔ اگر طبیعت اس کی پابندیاں قبول کرنے پر آمادہ ہو تو اعتکاف کیجیے! یہ فرض نہیں ہے۔ البتہ مسنون ہے اور نبی اکرم ﷺ اس کی بڑی پابندی فرمایا کرتے تھے۔ اس کی اصل روح ”تبتّل اِلی اللہ“ ہے‘ جیسے سورۃ المزمل میں حضور ﷺ سے فرمایا گیا: ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝۸﴾ ”اور ذکر کیے جاؤ اپنے رب کے نام کا اور سب سے الگ ہو کر پورے کے پورے اُسی کے ہو رہو“۔ چنانچہ اعتکاف میں اللہ کا ذکر ہو‘ اُس کی یاد کو دل میں نقش کالحجر بنانے کی شعوری کوشش ہو‘ اُس سے دعا ہو‘ استغفار ہو‘ قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ تلاوت ہو‘ اس پر تدبّر ہو۔ الغرض ان ایّام کے لیے یکسر نئے معمولات ہوں۔

اعتکاف کی حج سے مماثلت

مَیں اس موقع پر اختصار سے عرض کروں گا کہ حج میں بھی اسی طور سے معمولات کو بدلنے کا معاملہ ہوتا ہے۔ حج کے متعلق آپ حضرات نے یہ الفاظ تو ضرور سنے ہوں گے کہ ”اَلْحَجُّ عَرَفَة“ یعنی حج کا رکنِ رکین وقوفِ عرفہ ہے۔ اگر وہ فوت ہو گیا تو حج نہیں ہوا۔ باقی کوئی رکن رہ جائے تو اس کا بدل ہے‘ اس کی قضا ہو سکتی ہے‘ اس کے لیے دم دیا جا سکتا ہے‘ اس کے لیے روزے رکھے جا سکتے ہیں‘ لیکن اگر وقوفِ عرفہ نہیں ہوا تو حج نہیں ہوا۔ یہ اس کی شرطِ لازم ہے۔ جن لوگوں کو حج کی سعادت نصیب ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں عجیب حکمت رکھی گئی ہے کہ جس طرز کی عبادت کے لوگ عادی ہو چکے ہوتے ہیں‘ وہ وہاں بند کر دی گئی ہے۔ عرفہ میں کوئی نماز نہیں۔ ظہر کے ساتھ ہی عصر پڑھ کر عرفہ میں داخل ہونا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بہت سے لوگ عرفات میں جا کر نمازِ ظہر و عصر پڑھ لیتے ہیں۔ پھر یہ کہ سورج غروب ہونے کے فوراً بعد عرفہ سے روانگی ہے‘ لیکن مغرب کی نماز وہاں پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ مغرب کی نماز کافی تاخیر سے مزدلفہ میں جا کر ادا کرنی ہوتی ہے اور اس کے فوراً بعد عشاء کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ اب یہ بظاہر عجیب بات ہے۔ لوگ تو ہر نماز اُس کے وقت پر پڑھنے کے عادی ہو چکے ہوتے ہیں‘ ظہر اپنے وقت پر‘ عصر اپنے وقت پر اور اِدھر سورج غروب ہوا اُدھر مغرب کی نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ وہاں

آپ سورج غروب ہونے سے قبل عرفہ سے نہیں جا سکتے۔ جو لوگ جاتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں۔ یہ فرق کیوں ہے؟ تاکہ وہ معمول (routine) والی عادت جو مزاج کا جزو بن گئی ہے‘ اسے ختم کر کے‘ اس کے برعکس کام کرایا جائے۔ وقوفِ عرفہ کی اصل حکمت یہ ہے کہ اگر واقعی اللہ کی طرف انابت ہے تو لوگ وہاں اللہ سے زیادہ سے زیادہ دعا کریں۔ جس طرح چاہیں اس سے مناجات کریں‘ اس سے ہم کلام ہوں‘ اس سے لو لگائیں‘ اس سے عفو و مغفرت طلب کریں۔ یہ ہے وقوفِ عرفہ کی اصل غرض و غایت۔

یہی ہے اعتکاف کی اصل روح کہ آدمی اپنے معمولات سے منقطع ہو کر اللہ کے گھر میں آ کر ڈیرا لگا لے۔ وہ ہو اور اُس کی تمام تر توجّہات کا مرکز و محور اللہ کی یاد بن جائے‘ ہر آن اُس سے لو لگی رہے اور دس دن تک عملاً یہ نقشہ ہو کہ ﴿يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾ (آلِ عمران:۱۹۱) یعنی اللہ ہی کی یاد ہو کھڑے بھی‘ بیٹھے بھی اور کروٹ کے بل لیٹے بھی۔ اللہ کے ذکر سے آپ کے قلب کو وہ اطمینان‘ راحت اور سکون ملے گا جس کے سامنے ساری دنیا ہیچ ہے۔ خود باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾﴾ (الرعد) ’’جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ آگاہ رہو کہ دل اللہ ہی کی یاد سے اطمینان و سکون پاتے ہیں‘‘۔ دلِ مضطر ذکرِ الٰہی کے ذریعے ہی مکروہاتِ دنیا کے تکدّر سے پاک ہو کر اطمینان حاصل کر سکتا ہے۔ بقول اکبر الٰہ آبادی ؎

منتشر رہتا ہے مکروہاتِ دنیا سے بہت
اس دلِ مضطر کو یا اللہ اطمینان دے!

درحقیقت اعتکاف کی مسنون عبادت کا مقصود ہی یہ ہے کہ مکروہات اور مسائلِ دنیا سے ذرا تعلق منقطع کرو اور اللہ سے لو لگاؤ‘ اُسی کی طرف توجہات کا ارتکاز کرو‘ اُس سے مناجات کرو‘ اُس سے مغفرت طلب کرو‘ اُس سے پچھلے گناہوں کی معافی چاہو۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جو آخری عشرے کے لیے مساجد میں معتکف ہو رہے ہیں‘ توفیق عطا فرمائے کہ اعتکاف کی اس مسنون عبادت کا حق ادا کریں۔

اعتکاف میں لیلۃ القدر کا حصول

معتکف حضرات کو اس مسنون عبادت کے اجر و ثواب کے ساتھ ایک عظیم عبادت کی سعادت بلا تکلّف نصیب ہو جاتی ہے‘ جس کی فضیلت کے بیان میں قرآن مجید کی ایک مکمل سورۃ مخصوص ہے‘ یعنی لیلۃ القدر۔ یہ وہ رات ہے جس میں قرآن مجید لوحِ محفوظ سے سمائے دنیا پر نازل کیا گیا تھا۔ بعد میں دعوتِ توحید جن مراحل سے گزرتی رہی‘ انہی اعتبارات سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے قرآن مجید کو حضرت جبرائیل علیہ السلام قلبِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرماتے رہے۔ لہٰذا قرآن مجید کی ترتیب نزولی اور ہے جب کہ جو مصحف ہمارے ہاتھوں میں ہے اس کی ترتیب اور ہے۔ مصحف کی ترتیب لوحِ محفوظ کے مطابق ہے اور اسی ترتیب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید اُمّت کو دے کر اس دنیا سے ’’الرَّفِيْقُ الْاَعْلٰى‘‘ کی طرف مراجعت فرمائی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شعبان کی آخری تاریخ میں رمضان المبارک کی عظمت سے متعارف کرانے کے لیے جو خطبہ دیا تھا‘ اس خطبے میں الفاظ آتے ہیں: ’’شَهْرٌ عَظِيْمٌ‘ شَهْرٌ مُبَارَكٌ‘ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ‘‘۔ یعنی ’’یہ بڑا عظمت والا مہینہ ہے‘ بڑا بابرکت مہینہ ہے‘ اس مہینہ میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے‘‘۔ اس لیلۃ القدر کے متعلق دوسری احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ یہ رات آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ہوتی ہے‘ ان میں اسے تلاش کرو۔ معتکف حضرات کو اس رات کی تلاش میں خاص تکلّف و اہتمام نہیں کرنا ہوگا۔ وہ ان شاء اللہ اس رات کی برکات کو پا لیں گے۔

لیلۃ القدر کی خصوصی دعا

اس رات کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر مجھے یہ رات نصیب ہو جائے تو مَیں اس میں اپنے رب سے کیا دعا مانگوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انؓ کو یہ دعا تلقین فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ)) (سنن الترمذی)

’’اے اللہ‘ بے شک تُو بہت معاف فرمانے والا ہے اور معافی کو پسند فرماتا ہے پس تُو

مجھے بھی معاف فرمادے۔‘‘

اس دعا کی عظمت کا اندازہ اس امر سے لگائیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی محبوب ترین زوجہ محترمہ رضی اللہ عنہا کو اس کی تلقین فرمائی تھی۔ لہٰذا ان راتوں میں ہم میں سے ہر ایک کو یہ دعا کثرت کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔

نفلی اعتکاف

ایک بات مزید عرض کر دوں کہ رمضان کے آخری عشرے کے مسنون اعتکاف کے علاوہ اعتکاف کی ایک نفلی شکل بھی ہے۔ آپ ایک دن‘ ایک رات‘ ایک گھنٹہ حتیٰ کہ پانچ منٹ کا بھی اعتکاف کر سکتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوں تو اعتکاف کی نیت کر لیں۔ اب آپ نے جتنے وقت کی نیت کی ہے‘ اتنا وقت بس اللہ سے لو لگانی ہے‘ باقی ہر نوع کی دُنیوی باتیں چھوڑ دینی ہیں۔ یہ نفلی اعتکاف ہے۔ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان‘ نبی اکرم ﷺ اُمّت کے حق میں اتنے شفیع‘ اتنے رؤف اور اتنے رحیم تھے کہ اتنے مختصر وقت کے اعتکاف کی نیت اور اس پر صحیح عمل پر بھی ہمیں اجر و ثواب کی بشارت دے گئے ہیں۔

رمضان المبارک اس قرآن کے نزول کا مہینہ ہے۔ روزوں سے ہمارے اندر تقویٰ اس لیے پیدا کرنا مقصود ہے کہ تقویٰ نہیں ہوگا تو قرآن سے استفادہ نہیں کر سکو گے۔ یہ ’’هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ‘‘ ہے۔ دن میں روزہ رکھو‘ رات کو قرآن کے ساتھ زیادہ سے زیادہ جاگو۔ اس سے تمہارے دل کے اندر انابت پیدا ہوگی‘ رجوع پیدا ہوگا‘ خشوع پیدا ہوگا‘ قرآن کی عظمت تم پر منکشف ہوگی۔ پھر جب یہ خشوع انتہا کو پہنچ جائے تو آخری عشرے میں سب سے منہ موڑ کر آؤ اور اللہ کے گھر کے کسی کونے میں اللہ سے لو لگانے کے لیے یکسو ہو کر بیٹھ جاؤ۔ اس سے مناجات کرو‘ دعائیں کرو‘ اس کی کتابِ مبین کی تلاوت کرو اور ان ذرائع سے اس سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرو۔ یہ ہے اعتکاف کی مسنون عبادت کی روح اور اس کی اصل غرض و غایت۔ اللہ تعالیٰ ہر معتکف کو ان روحانی برکات سے بہرہ مند فرمائے۔

اہلِ پاکستان کے لیے لمحۂ فکریہ

رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ستائیسویں شب خصوصی اہمیت کی حامل ہوتی ہے اور اسلامیانِ پاکستان کے لیے اس کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ ستائیس رمضان المبارک کو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت ’’پاکستان‘‘ کے نام سے قائم ہوئی تھی‘ جسے بعد ازاں ہم نے اپنی بدعملی اور ناہنجاری کے باعث دولخت کرا دیا۔ موجودہ پاکستان وہ نہیں ہے جو ۱۹۴۷ء میں قائم ہوا تھا۔ ہمارا ایک بازو ہم سے ٹوٹ چکا‘ اُس نے اپنا نام بھی بدل لیا۔ یہ بہت بڑا المیہ اور بہت بڑا حادثہ ہے اور بہت بڑی سزا ہے جو ہمیں اللہ کی طرف سے ملی۔ ہم نے اللہ تعالیٰ سے اور خلقِ خدا سے یہ عہد کیا تھا کہ ’’پاکستان کا مطلب کیا: لا الٰہ الّا اللہ!‘‘ لیکن ہم نے اس عہد کی خلاف ورزی کی۔ مادّی اعتبار سے ہم نے چاہے کتنی ترقّی کی ہو‘ لیکن واقعہ یہ ہے کہ دینی اور اخلاقی لحاظ سے ہماری حالت بڑی دگرگوں ہے۔ عالَم یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کے وقت جو تھوڑی بہت دینی اور اخلاقی اقدار ہماری قوم میں موجود تھیں‘ ان کا بھی دیوالیہ نکل چکا ہے اور ہم روز بروز دینی و اخلاقی اعتبارات سے انحطاط سے دوچار ہوتے اور پستی میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کی خلاف ورزی کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ ہماری سرحدوں پر کئی اطراف سے خطرات منڈلا رہے ہیں۔ پھر سب سے بڑا خطرہ باہر سے نہیں‘ اندر سے ہے۔

قرآن کریم میں سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں: ﴿اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ﴾ (آیت ۶۵) یعنی عذاب یا تو آسمان سے نازل ہوتا ہے‘ مثلاً آندھی یا طوفان آ گیا‘ کوئی طوفانی بارش آ گئی‘ کوئی سائیکلون آ گیا یا اسی طرح کی کوئی اور آسمانی آفت نازل ہوگئی — یا ہمارے قدموں سے کوئی عذاب پھوٹ پڑے‘ مثلاً زلزلہ آ جائے‘ خسف ہو جائے‘ زمین کو دھنسا دیا جائے‘ جیسے قارون کو اُس کے محل سمیت دھنسا دیا گیا تھا یا جس طریقہ سے عامورہ اور ثمود کی بستیاں

تباہ کی گئیں‘ یا جس طرح زمین سے چشمہ پھوٹا تھا جس کے پانی اور آسمان کی بارش نے مل کر طوفانِ نوح کی شکل اختیار کر لی تھی۔

ان کے علاوہ ایک تیسرا عذاب ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کو نہ آسمان سے کچھ نازل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ زمین سے کچھ نکالنے کی۔ وہ کیا ہے! وہ بدترین عذاب ہے: ﴿اَوۡ یَلۡبِسَکُمۡ شِیَعًا وَّ یُذِیۡقَ بَعۡضَکُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ ؕ﴾ ’’یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر دے اور آپس میں ٹکرا کر ایک دوسرے کی طاقت کا مزا چکھا دے‘‘۔ اس صورت میں آسمان یا زمین سے عذاب بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں۔ ایک دوسرے کی طاقت آپس میں آزماؤ! ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ایک دوسرے کا گریبان ہو‘ ایک دوسرے کے خنجر ایک دوسرے کے سینے میں پیوست ہو جائیں‘ ایک دوسرے کے گھر خود جلائیں‘ ایک دوسرے کو خود ہی ذبح کریں — عذاب کی یہ شکل پہلے مشرقی پاکستان میں دیکھنے میں آئی۔ وہاں مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کی جان گئی‘ عزّت و آبرو لٹی۔ سکھر میں ایک صاحب نے اپنی آپ بیتی مجھے سنائی کہ ہم سترہ افراد تھے جن کو مکتی باہنی کے لوگوں نے پکڑ لیا تھا۔ یہ غنڈے نہیں تھے‘ کیونکہ ہمیں باندھنے والوں نے وضو کیا اور نفل ادا کیے اور دعا کی کہ ’’اے اللہ‘ ہم ان کو قتل کر رہے ہیں‘ تُو جانتا ہے کہ یہ ظالم ہیں‘ انہوں نے ہمارا خون چوسا ہے‘ انہوں نے ہمارے حقوق غصب کیے ہیں‘ اس کے بدلے ہم انہیں قتل کر رہے ہیں‘‘۔ اس دعا کے بعد ان سترہ افراد پر گولیاں برسائیں‘ جن میں راوی بھی شامل تھے۔ ان کو گولی نہیں لگی‘ لیکن وہ مردہ بن کر گر پڑے اور اس طرح بچ گئے۔ پھر کسی نہ کسی طرح پاکستان آ گئے۔ یہ بدترین عذاب کی شکل ہے۔ یہ ’’الفتنۃُ الکبریٰ‘‘ ہے جو ہمارے یہاں نمودار ہوا۔

مَیں آپ کو خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ اس بچے کھچے پاکستان میں حالات اسی رخ پر جا رہے ہیں۔ خاص طور پر سندھ اور اس کا ہی نہیں پاکستان کا عروس البلاد کراچی آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہے۔ کراچی میں پٹھان اور بہاریوں کے درمیان نہایت خونیں اور خوفناک تصادم ہو چکا ہے۔ چھوٹے چھوٹے عذابوں کا مزا اللہ ہمیں چکھا رہا ہے کہ ہم اب بھی ہوش میں آ جائیں۔ ایک منی بس میں پندرہ سولہ افراد کو جنہوں نے زندہ جلایا تھا وہ

جلانے والے کون تھے؟ جلانے والے بھی مسلمان اور جلنے والے بھی مسلمان — اس کے بعد روزانہ کسی نہ کسی علاقے اور بستی سے مختلف گروہوں میں مسلّح تصادم کی خبریں آ رہی ہیں۔ اسی رمضان کے اوائل میں ان لڑائیوں کی وجہ سے بعض علاقوں میں کرفیو لگ چکے ہیں۔ یہ ایک بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہیں (۱)۔ یہ اسی عذاب کے آثار ہیں جو پہلے مشرقی پاکستان میں اپنی پوری شدّت سے آ چکا ہے۔

ہمارے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ عذاب کے یہ کوڑے ہماری پیٹھوں پر کیوں برس رہے ہیں؟ معاذ اللہ‘ اللہ ظالم نہیں ہے۔ سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا: ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنۡ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾﴾ یعنی ’’اللہ نے تو ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے‘‘۔ یہی مضمون سورۃ الاعراف کی آیات ۱۶۰۔ ۱۶۲ اور ۱۷۷ میں ہے۔ مزید برآں بہت سی سورتوں میں اس کا ذکر ہے۔ پھر سورۂ یونس میں یہ بات بڑے واضح انداز میں فرمائی گئی: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ النَّاسَ شَيۡـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾﴾ یعنی ’’اللہ تو لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا‘ لیکن لوگ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں‘‘۔ یہ ہمارے اپنے کرتوت اور بداعمالیاں ہیں‘ بقول شاعر ؏

’’اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست‘‘۔ ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے یہ اللہ کی تنبیہات ہیں۔ یہ سب کیوں ہے؟ اسے ایک جملہ میں سمجھ لیجیے۔ جس وعدے پر ہم نے یہ ملک بنایا تھا ہم نے اس کا ایفا نہیں کیا‘ بلکہ وعدہ خلافی کی ہے۔ ہم نے غداری کی ہے۔ ہم نے اسلام کے لیے یہ ملک بنایا تھا‘ لیکن ہم نے زبانی کلامی باتوں کے علاوہ اسلام کے نفاذ اور اسلامی نظام کے قیام کی طرف قطعی پیش قدمی نہیں کی‘ بلکہ ترقی معکوس کی ہے۔ دینی اور اخلاقی تربیت سے بحیثیتِ قوم و ملّت ہم روز بروز گرتے چلے جا رہے ہیں۔ اب ہم اگر اس خوفناک صورتِ حال سے بچنا چاہتے ہیں تو اس کا واحد علاج ایک ہی ہے کہ ایک طرف خود اپنی زندگیوں پر اسلام کو نافذ کریں‘ دوسری طرف اللہ کے دین کو عملاً اس ملک میں قائم

(۱) خیال رہے کہ یہ تقریر ۳۰ مئی ۱۹۸۶ء کو کی گئی تھی۔ اس کے بعد کراچی جس باہمی مسلح تصادم اور آگ و خون کے دریا سے مسلسل گزرتا رہا ہے‘ اس پر ہر دردمند دل خون کے آنسو رویا ہے۔ (مرتب)

کرنے کے لیے صحیح نہج پر جِدّوجُہد کریں۔ اگر ہم اس کام کے لیے بیڑا اٹھالیں تو ہماری بگڑی بن سکتی ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے: ﴿اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ يَنۡصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ۝۷﴾ (محمد) یعنی ''اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا''۔ اللہ کی مدد سے مراد کیا ہے! اللہ کے دین کو قائم و نافذ کرنے کی ہمہ تن، ہمہ وجوہ اور ہمہ وقت جِدّوجُہد کرنا —— جگر مرادآبادی نے اس مفہوم کی بڑی دلنشین انداز میں ترجمانی کی ہے ؎

چمن کے مالی اگر بنا لیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی!

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمالے اور پاکستان کو اسلام کا گہوارہ بنا دے تاکہ ہم دنیا کو پاکستان کے ذریعہ سے اسلام کی برکات سے روشناس کرا سکیں۔

اقول قولی هٰذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ○○

ایک مسلمان سے دین کے تین اہم تقاضے

مُطالباتِ دین

• عبادتِ رب • فریضہ شہادت علی الناس

• فریضہ اقامتِ دین

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

صفحات:120 قیمت:90روپے

رمضان المبارک اور اُس کی خصوصیات

مولانا عبدالغفار حسنؒ

رمضان کا مبارک اور مقدّس مہینہ جن خصوصیات اور محاسن کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے، ان سب کی تفصیل تو اس مضمون میں ناممکن ہے۔ اس موقع پر صرف چند اہم اور نمایاں خصوصیات روزہ، قیام اللیل، اجتماعیت، تلاوتِ قرآن، دعا، انفاق فی سبیل اللہ، لیلۃ القدر اور اعتکاف کی تشریح اور تقاضوں کو بیان کرتے ہوئے ان کے نتائج اور ثمرات کی طرف توجّہ دلائی جاتی ہے۔

روزے کے ثمرات

(۱) روزے کا پہلا ثمرہ ایمان کی ازسرِنو تازگی اور شادابی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات خصوصاً اس کے علیم وخبیر اور مالک یوم الدین ہونے پر جس طرح روزہ یقین پیدا کرتا ہے، وہ اپنی تاثیر کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔ روزے کی حالت میں بھوک پیاس کی شدّت اور جنسی خواہشات کے ہیجان پر وہی شخص قابو پا سکتا ہے جو مذکورہ بالا خدائی صفات پر ایمان رکھتا ہو۔ قانون کے ڈنڈے اور پولیس کے پہروں کے بغیر ایک مسلمان اپنے ایمانی تقاضے کی بنا پر ہی اس فرض کو انجام دے سکتا ہے، اور یہ چیز اُس کی ایمانی قوت وحرارت میں مزید اضافہ کا سبب بنتی ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ افراد کی اصلاح کے لیے دو قسم کے طریقے اختیار کیے جاتے ہیں: (i) باطنی یعنی قلبی کیفیات اور اندرونی حالت میں انقلاب وتبدیلی پیدا کی جائے (ii) ظاہری یعنی بیرونی دباؤ اور تعزیری قوانین کے ذریعے برائیوں کو روکنے اور نیکیوں کو نشوونما دینے کی کوشش کی جائے۔ اسلام نے یہ دونوں طریقے اختیار کیے ہیں، لیکن اُس نے پہلے اور زیادہ توجّہ باطنی اصلاح پر دی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

((اَلَا اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّهٗ ، اَلَا وَهِیَ الْقَلْبُ)) (متفق علیه)

''سنو! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست

ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارے جسم میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ آگاہ رہو! یہ لوتھڑا دل ہے۔''

قلبی کیفیات کو بدلنے اور پاکیزہ میلانات کو پیدا کرنے کے لیے نماز کے بعد اگر کسی عبادت کا مقام ہو سکتا ہے تو وہ روزہ ہے۔

(۲) روزے کا دوسرا پھل اخلاص ہے۔ دوسری عبادات کا علم کسی نہ کسی طرح دوسرے افراد کو ہو سکتا ہے، لیکن روزہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جب تک خود روزہ دار ہی اپنی زبان سے اس کا اظہار نہ کرے کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ اس عبادت میں ریاکاری اور نمائش کا کم سے کم امکان پایا جاتا ہے۔ اسی بنا پر حدیثِ قدسی میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

((اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ)) (متفق علیه)

''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔''

(۳) روزے کی بنا پر انسان میں صبر یعنی ضبطِ نفس اور اپنی خواہشات پر قابو پانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک حدیث میں رمضان کے بارے میں فرمایا گیا: ((هُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ)) ''یہ صبر کا مہینہ ہے''۔ (مشکوٰۃ، بحوالہ بیہقی) یہ بھی واضح رہے کہ اصحابِ صبر کے لیے اللہ ربّ العزت کے ہاں ثواب بھی اَن گنت ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝۱۰﴾ (الزمر)

''صبر والے (اللہ کے ہاں) اپنا اجر بے حساب پائیں گے۔''

(۴) روزے کی وجہ سے انسان میں جذبۂ شکر اُبھرتا ہے اور خدا کی نعمتوں کی قدر ومنزلت اسے معلوم ہوتی ہے اور پھر یہ جذبہ اپنے محسنِ حقیقی کی محبّت سے وابستہ کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب مقامِ محبّت حاصل ہو جائے تو پھر عبادت واطاعت کی مثالیں بھی دوچند ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝۱۸۵﴾ (البقرۃ)

یعنی اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت کی نعمت تمہیں بخشی ہے اس پر تم اُس کی بڑائی بیان کرو تاکہ تم (اُس کے احسانات کا) شکر ادا کرو۔

اسی جذبۂ شکر کو ابھارنے کے لیے ایک حدیث میں حکم دیا گیا ہے کہ دنیاوی لحاظ سے اُن لوگوں کو دیکھو جو تم سے کمتر ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم ان نعمتوں کو حقیر نہیں سمجھو گے جو اللہ تعالیٰ

نے تمہیں عطا کی ہیں۔ (بخاری و مسلم) روزے کے افطار کے وقت خاص طور پر اس دعا کے پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے:

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ، ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی (سنن ابی داؤد)

''اے اللہ! مَیں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے دیے ہوئے رزق پر افطار کیا۔ پیاس بجھ گئی، رگیں تر ہوگئیں، اور (اللہ کے ہاں) اجر ثابت ہوگیا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔''

اس دعا میں بھی اعترافِ نعمت ہے اور جذبۂ شکر اُبھارنے کی نمایاں طور پر تربیت دی گئی ہے۔

(۵) روزہ انسان میں ہمدردی اور غم خواری کے جذبات کو ابھارتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

''جس نے روزے دار کو روزہ افطار کرایا تو اس کو بھی روزے دار کے برابر ثواب ملے گا اور جس نے پیٹ بھر کر کسی روزے دار کو کھانا کھلایا اسے اللہ تعالیٰ حوضِ کوثر کا جام پلائے گا کہ میدانِ محشر میں پیاس ہی محسوس نہیں ہوگی۔ اور جس نے اپنے غلام یا ماتحت شخص سے کام لینے میں نرمی برتی، اللہ تعالیٰ اس کی گردن کو جہنّم سے آزاد کردے گا''۔ (بیہقی ج ۱، ص ۱۷۴)

قیام اللیل

رمضان المبارک کی دوسری خصوصیت رات کا قیام یعنی شب بیداری ہے، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے:

((مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ))

(متفق علیه)

''جس نے رمضان میں ایمان کی بنا پر اور ثواب کی امید میں قیام اللیل کیا، اس کے اگلے گناہ معاف ہوجائیں گے۔''

قیام اللیل میں نفس کی تربیت جس طرح ہوتی ہے اس کی وضاحت اس انداز سے کی گئی ہے:

﴿اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا ۝۸﴾ (المزمل)

''بلاشبہ رات کا اٹھنا نفس کو کچلنے اور بات کے درست ہونے کے لیے زیادہ سازگار ہے۔''

رات کے آخری حصّہ میں نرم گرم بستر چھوڑ کر اللہ کی یاد کے لیے اٹھنا نفس پر انتہائی شاق گزرتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس پُرسکون فضا میں اپنے ربّ سے مناجات اور سرگوشی کرنے میں جو لطف حاصل ہوسکتا ہے اس کا دسواں حصّہ بھی دن کے ہنگامہ پرور اوقات میں میسّر نہیں آسکتا۔

رسول اللہ ﷺ یوں تو دوسرے مہینوں کی نسبت رمضان میں شب بیداری کا خصوصی طور پر اہتمام فرمایا کرتے تھے، لیکن آخری عشرے میں آپ ﷺ کی جِدّوجُہد اور بھی زیادہ تیز ہوجاتی تھی، جیسا کہ اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

((اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِیْزَرَهٗ وَاَحْیَا لَیْلَهٗ وَاَیْقَظَ اَھْلَهٗ)) (متفق علیه)

''جب (آخری) عشرہ شروع ہوتا تو آپ ﷺ اپنی کمر کس لیتے، رات جاگ کر گزارتے اور گھر والوں کو بھی بیدار کرتے۔''

قرآن کا دور

رمضان المبارک کی تیسری خصوصیت اس ماہ میں نزولِ قرآن ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔''

یہ اندازِ بیان ظاہر کر رہا ہے کہ رمضان اور قرآن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رمضان نزولِ قرآن کی سالگرہ منانے کا مہینہ ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ اس مہینے میں جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کا دور فرمایا کرتے تھے اور آخری سال آپؐ نے دو بار دَور فرمایا۔ (صحیح بخاری)

یہاں یہ بات واضح رہے کہ قرآن کے نزول کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قرآن کو پوری تیزی کے ساتھ بے سمجھے بوجھے تراویح میں پڑھ لیا جائے، بلکہ قرآن مجید کا حق صحیح معنی میں اُس وقت ادا ہوسکتا ہے جب کہ اس کے نزول کے تین مقاصد پیشِ نظر رکھے جائیں:

(۱) ﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُكْثٍ﴾ (بنی اسرائیل:۱۰۶)

''اور قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لیے اتارا ہے تاکہ اسے آپؐ ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو سنائیں۔''

(۲) ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۲۹﴾ (صٓ:۲۹)

''یہ برکت والی کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور عقل مند اس سے نصیحت حاصل کریں۔''

(۳) ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىکَ اللّٰہُ ؕ﴾ (النساء:۱۰۵)

’’ہم نے آپ (ﷺ) کی طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب اُتاری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو طریقہ آپ کو سمجھا دیا ہے اس کے مطابق آپ لوگوں کے مابین فیصلہ کریں۔‘‘

یعنی انسان اپنے نفس پر‘ اپنے گھر پر‘ ماحول پر‘ پورے ملک پر‘ بلکہ پوری دنیا پر اللہ تعالیٰ کی کتاب کے غلبہ اور حکمرانی کو قائم کرنے کی جدّوجُہد میں لگ جائے۔ زندگی کا کوئی شعبہ اور معاشرے کا کوئی حصّہ بھی اس کی راہنمائی سے خالی نہ رہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

رمضان المبارک کی چوتھی خصوصیت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہے‘ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

((اَطْلَقَ کُلَّ اَسِیْرٍ وَاَعْطٰی کُلَّ سَائِلٍ)) (مشکوۃ بحوالہ بیہقی)

’’رسول اللہ ﷺ اس ماہ تمام قیدیوں کو آزاد فرما دیتے اور ہر سائل کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتے۔‘‘

دوسری حدیث میں رمضان المبارک کے دوران آپؐ کی سخاوت کو کثرت وزیادتی کے لحاظ سے تیز ہوا (اَلرِّیْحُ الْمُرْسَلَۃ) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ (بخاری ومسلم)

اللہ تعالیٰ کے احسانات خصوصاً نعمتِ قرآن کا شکر اسی طرح ادا ہوسکتا ہے کہ اس ماہ میں کثرت سے غرباء ومساکین کی مدد کی جائے اور نیک کاموں میں آپس میں ایک دوسرے سے تعاون کیا جائے۔ اسی طرح روزے دار اس ماہ میں اپنے دل سے بخل کے میل کچیل کو دور کرسکتا ہے اور اسے سخاوت وفیاضی کا خوگر بنا سکتا ہے۔ ان تمام خصوصیات پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ رمضان المبارک کے ذریعے عبادتِ خالق اور خدمتِ خلق دونوں کی تربیت دی گئی ہے۔

اجتماعیت

رمضان المبارک کی پانچویں خصوصیت اس میں اجتماعیت کا پہلو ہے۔ یہ وہ فضیلت ہے جو رمضان المبارک کے تمام احکام وعبادات میں نمایاں ہے۔ روزہ رکھنے کا معاملہ ہر شخص کی صوابدید پر نہیں چھوڑ دیا گیا‘ بلکہ سحر وافطار کے اوقات معیّن کر دیے گئے تاکہ اس طرح سب مسلمان ایک

ہی وقت میں سحری کھائیں اور افطار کریں۔ اس حالت میں اگر کسی کا دل روزے کی طرف راغب نہ بھی ہو تب بھی ماحول اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ روزے کی سعادت سے محروم نہ رہنے پائے۔ اس اجتماعی حکم کی بنا پر کمزور ایمان والے بھی ایمانی قوت کا سرمایہ حاصل کر سکتے ہیں اور عملِ صالح کی کھیتیوں کو سرسبز وشاداب بنا سکتے ہیں۔

لیلۃ القدر

رمضان کی چھٹی خصوصیت لیلۃ القدر ہے۔ اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے (القدر)۔ اس رات کو مندرجہ ذیل دعا پڑھنا مسنون ہے:

((اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ)) (سنن الترمذی)

’’اے اللہ! تُو معاف کرنے والا ہے‘ معافی کو پسند کرتا ہے‘ پس تُو میری خطائیں معاف فرما۔‘‘

عام طور پر ستائیسویں شب ہی کو شب قدر سمجھا جاتا ہے‘ حالانکہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کے آخری عشرے کی پانچ طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات شب قدر ہوتی ہے۔ اس لیے ان پانچ راتوں کو خاص طور پر عبادت وتلاوت اور ذکرِ الٰہی میں گزارنا چاہیے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ ؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((تَحَرَّوْا لَیْلَۃَ الْقَدْرِ فِی الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ)) (رواہ البخاری)

’’شب قدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں۔‘‘

اعتکاف

رمضان المبارک کی ساتویں خصوصیت اعتکاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے‘ لیکن آخری سال آپ ﷺ نے بیس دن کا اعتکاف فرمایا۔ (صحیح بخاری)

اسلام نے رہبانیت (ترکِ دُنیا) سے منع کیا‘ لیکن انسان کی یہ خواہش بھی فطری ہے کہ وہ یکسوئی کے ساتھ گوشۂ تنہائی میں اپنے رب سے سرگوشیوں میں مصروف ہو اور اُس کے حضور میں گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور آئندہ کے لیے ازسرِنو اطاعت ووفاداری کا عہد وپیمان باندھے۔ اعتکاف کو مستحب قرار دے کر انسان کی اس فطری خواہش کو پورا کیا گیا ہے۔

دعا

رمضان المبارک کی آٹھویں خصوصیت دعا ہے۔ قرآن مجید میں رمضان المبارک کے احکام وفضائل کو بیان کرتے ہوئے درمیان میں دعا کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ﴾ (البقرۃ:۱۸۶)

''جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو (ان سے کہہ دو کہ) مَیں قریب ہوں۔ مَیں دعا کرنے والے کی پکار کو سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے' پس لوگوں کو چاہیے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔''

قرآن مجید کا یہ اندازِ بیان ظاہر کر رہا ہے کہ رمضان اور دعا میں انتہائی گہرا ربط پایا جاتا ہے۔ دعا کی مقبولیت کے بیشتر اوقات اس ماہ میں رکھے گئے ہیں۔

رمضان' عبادت کا مقدّس' پاکیزہ اور پُر بہار موسم ہے اور دُعا کے بارے میں ارشادِ نبویؐ ہے:

((اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ)) (سنن الترمذی)

''دعا عبادت کا مغز اور گودا ہے۔''

اسی بنا پر روزے دار کی دعا خصوصاً افطار کے وقت اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ ❁❁❁

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ﴾ (طٰہٰ:14) ''اور نماز قائم کرو میری یاد کے لیے!''

فلسفۂ دین کی رُو سے
طالبانِ قرآن اور خادمانِ دین کے لیے

نماز کی خصوصی اہمیّت

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

کے دو (2) فکر انگیز اور بصیرت افروز خطابات

o امپورٹڈ بک پیپر o عمدہ طباعت o خوبصورت ٹائٹل
o صفحات:56 o قیمت:60 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور، 36 کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور، 3-35869501-042

تعلّق مع اللّٰہ

رمضان کے شام وسحر کے تناظر میں

عتیق الرحمٰن صدیقی

ہم اگر دین وشریعت کی تمام تر تعلیمات کا نچوڑ اور خلاصہ صرف ایک ہی لفظ میں بیان کرنا چاہیں تو وہ لفظ ''تقویٰ'' ہے۔ یہ جامعیتِ کبریٰ کا حامل لفظ معانی کا ایک سمندر اپنے مَن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کے معنی 'بچنے' پرہیز کرنے اور لحاظ کرنے کے ہیں' لیکن وحیِ محمدی ﷺ کی اصطلاح میں یہ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ حاضر وناظر ہونے کا یقین پیدا کر کے دل میں خیر وشر کی تمیز کی خلش اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا کر دیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تقویٰ ضمیر کے اُس احساس کا نام ہے جس کی بنا پر ہر کام میں اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اس کی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اس قلبی احساس سے ایک خاص عملی رویہ بھی وجود میں آتا ہے اور یہ عملی رویہ اللہ کی اطاعت اور اس کی رضاجوئی سے عبارت ہوتا ہے۔ انسان چوکنا ہو جاتا ہے' اللہ کی گرفت سے اندیشہ ناک رہتا ہے اور برابر لرزتا اور کانپتا رہتا ہے' اس میں خدا کی عظمت اور اس کے غضب کا خوف سما جاتا ہے' تاکہ اس سے کسی لمحے ایسی حرکت سرزد نہ ہونے پائے جو اُس کے ربّ کی ناراضی پر منتج ہو۔

ہم اگر نماز' زکوٰۃ' روزہ' حج اور دیگر تمام تر تعلیماتِ اسلامیہ کے منشاء ومطلوب کو پانا چاہیں تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اپنے ہر عمل کے قالب میں تقویٰ کی روح کو بیدار کر لیں۔ کتابِ مبین بھی ہمارے لیے اسی وقت راہبر وراہنما بنے گی جب ہم اس روح سے سرشار ہوں گے اور زندگی کی شاہراہ پر گامزن ہوئے تقویٰ ہمارا زادِ راہ ہوگا۔ ہم اللہ کا گھر تعمیر کرنا چاہیں' درس وتدریس اور ذکر واذکار کی محافل سجانا چاہیں' اسلام کے اخلاقی نظام کو بروئے کار لا کر ایک ایسی پاکیزہ

سوسائٹی کی تشکیل کرنا چاہیں جو امن وسلامتی کی پیام بر ہو تو اس عمارت کی اساس تقویٰ پر ہوگی۔ ایسے میں دُنیوی اور اُخروی طور پر ہمیں فوز وفلاح کی ضمانت میسر آئے گی۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿اِنَّ لِلۡمُتَّقِیۡنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾﴾ (النبا) ''بے شک تقویٰ والوں کے لیے کامیابی ہے''۔ گویا انجام کار تقویٰ والوں کے لیے ہے اور اللہ سے دوستی اور محبت کے سزاوار بھی وہی ہیں۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۷۶﴾﴾ (آلِ عمران) ''تو بے شک اللہ تعالیٰ متقین سے پیار کرتا ہے''۔ اللہ تعالیٰ کی معیت کا شرف ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ یہ ''تا نہ بخشد خدائے بخشندہ'' کے مصداق انہی افراد کو میسر آتا ہے جو تقویٰ کی عظیم نعمت سے سرفراز ہوں۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۳۶﴾﴾ (التوبۃ) ''اور جان لو کہ بے شبہ اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے''۔ اور درِ قبولیت بھی انہی کے لیے وا ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ﴿اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۲۷﴾﴾ (المائدۃ) ''اور اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں ہی کا عمل قبول فرماتا ہے''۔

متقی دراصل وہ ہے کہ اس کی زندگی کے ہر شعبہ' ہر کام اور ہر پہلو میں سچائی غالب ہو۔ وہ صرف ابدی سچائی پر ایقان رکھتا ہو' حالات کی نامساعدت اور گرد وپیش کی مزاحمت ومخاصمت اس میں ذرّہ بھر لرزش نہ پیدا کرتی ہو' اس کے دل میں شعائر اللہ کی تعظیم رچی بسی ہو اور ہر مرحلہ میں صبر وعزیمت کا پیکر بن کر نمودار ہوتا ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے جانچ رکھا ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کے مجمع میں ارشاد فرمایا: ((اَلتَّقْوٰی ھٰہُنَا)) (مسلم) ''تقویٰ یہاں ہے''۔ آپؐ نے یہ کہتے ہوئے دل کی طرف اشارہ فرمایا۔ گویا تقویٰ دل کی پاکیزہ ترین اور اعلیٰ ترین کیفیت کا نام ہے جو تمام نیکیوں کی محرک ہے اور وہی مذہب کی جان اور دینداری کی روح ہے اور یہی تمام تر عبادات وطاعات کا ماحصل ہے۔

اب عبادات وطاعات کا یہ ماحصل اور نچوڑ ہم کیسے پائیں! نہ صرف انفرادی طور پر بلکہ اجتماعی اعتبار سے بھی یہ گوہرِ مقصود کیسے حاصل کریں! دل کی ویرانی کو کیسے بہار آشنا کریں! کیونکر ایک اسلامی معاشرہ وجود میں آ جائے اور اسلام کی فیوض وبرکات سے ہر کوئی متمتع ہونے لگے! یہ اسی وقت ممکن ہے کہ ہم اپنی نفسانی خواہشات اور شہوات کو کچھ حدود وقیود کا پابند بنا لیں' نفس کو من مانی کرنے سے باز رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ بیان فرمایا:

﴿وَ اَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡہَوٰی ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الۡجَنَّۃَ

هِیَ الْمَاْوٰی ﴿۴۱﴾ (النّٰزعٰت)

''رہا وہ شخص جس نے اپنے دل میں یہ ڈر رکھا کہ اسے اپنے ربّ کے سامنے کھڑا ہونا ہے اور اپنے نفس کو خواہشوں کی پیروی سے روکا' تو یقیناً جنّت ہی اس کا ٹھکانا ہوگی۔''

نماز بندے کو اللہ کے قریب کرتی ہے' اللہ سے اس کا ربط وضبط بڑھاتی ہے۔ حج کا سفر تمام عبادات کا جامع ہے' تعلق باللہ کے قائم کرنے میں اس کا ایک عظیم کردار ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی انسانی نفس پر شاق گزرتی ہے۔ قرآن حکیم کی تلاوت اور اس میں غور وتدبّر' اوراد و وظائف اور نفلوں کی ادائیگی اس کے باطن کو نور ونکہت سے آشنا کرتے ہیں۔ مگر ان تمام تر عبادات میں نفس کے لیے زیادہ اذیت رساں اور اضمحلال انگیز عبادت روزہ کی ہے' نفس کے تزکیہ وتصفیہ اور اندر کی دنیا کو مانجھنے' نکھارنے اور سنوارنے میں اس کا خاصا دخل ہے۔ یہ انسان کے نہایت سرکش اور مُنہ زور رجحانات پر نہ صرف کمندیں ڈالتی ہے بلکہ انہیں مسخر کرنے اور رام کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔

روزے کے قانونی وجود کا تعلق تو صرف تین باتوں سے ہے۔ ایک یہ کہ صبح صادق سے سورج کے غروب ہونے تک کچھ کھایا پیا نہ جائے اور جنسی خواہش سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ یہ نفس کے نہایت بنیادی مطالبات ہیں جن پر ایک ماہ کے لیے روزے کی حالت میں قدغن عائد کی گئی ہے۔ یہ مطالبات قوی بھی ہیں' زوردار بھی ہیں اور ہمہ گیر بھی۔ ان کی فطرت میں اشتعال' ہیجان اور جوش کی ایسی کیفیت اور بے پناہ طاقت ہے کہ ان پر قابو پانے میں نہایت ہمت شکن اور سخت مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ ان کا تعلق نہ صرف بقائے ذات سے ہے بلکہ بقائے جنس بھی انہی پر موقوف ہے۔ یہ مطالبات فطری تقاضوں کی صورت اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اسلام نے انہیں ختم کرنے کی اجازت نہیں دی' بلکہ ان کو قابو میں کر کے ان کو صحیح راہ پر لگانے کا حکم دیا ہے۔ روزے کی عبادت اللہ نے مقرر ہی اس لیے کی ہے کہ نفسِ انسانی کے یہ مُنہ زور اور سرکش رجحانات' جذبات اور خواہشات ضعیف اور کمزور ہو کر معتدل اور متوازن ہو جائیں اور انسان کی قوت ارادی ان کو زیر دام لانے اور حدودِ الٰہی کا پابند بنانے میں قوت وطاقت سے ہمکنار ہو جائے۔

مسلسل ایک ماہ تک نفس کی ان بے قرار خواہشات پر قفل ڈالے رکھنے سے باطن میں ایک روشنی نمودار ہوتی ہے۔ صبر وضبط کی یہ روشنی اس میں ایسی عزیمت واستقامت کو راہ دیتی ہے کہ وہ

دوسری بے شمار خواہشوں کو لگام دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ باطل سے آنکھیں چار کرنے کی قوت پا لیتا ہے۔ شمشیر وسنان کی دھاروں پر بھی وہ کلمۂ حق کہنے سے نہیں چوکتا۔ اس روشنی کے ضیابار ہونے اور جگمگانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ''روزے میں ریا نہیں ہوا کرتی''۔ (فتح الباری) اور جب کسی عبادت میں ریا نہ ہو تو یہ ضمانت ہے اس بات کی کہ وہ بندے کو خدا کے قریب کرنے والی ہے۔ جس عبادت کی نوعیت سراسر منفی ہو تو اس میں دکھاوے کا کوئی امکان نہیں ہوتا اور ریاکاری کا خطرناک شیطان اس پر شب خون مارنے سے قاصر رہتا ہے۔ روزے کا امتیازی وصف یہ ہے کہ صرف اسی کے حکم کے ساتھ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں' اور کسی عبادت کے ساتھ ان لفظوں کا اعادہ نہیں کیا گیا ہے۔ روزے کی اس امتیازی حیثیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کو اپنے لیے مختص فرمایا۔ حدیث قدسی کے الفاظ ہیں:

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ: الْحَسَنَةُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: اِلَّا الصَّوْمَ فَاِنَّهٗ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ ، يَدَعُ شَهْوَتَهٗ وَطَعَامَهٗ مِنْ اَجْلِيْ...)) (صحيح مسلم' كتاب الصيام)

''انسان کے ہر عمل خیر کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ملے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لیکن روزہ اس سے مستثنیٰ ہے' کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا (جتنا چاہوں گا) بدلہ دوں گا۔ (آخر) انسان اپنی شہوتِ نفس اور اپنا کھانا پینا میری ہی خاطر تو روکے رہتا ہے۔''

حقیقی معنوں میں روزہ دار وہ ہے جو روزہ کے قانونی وجود کے احترام کے ساتھ ساتھ روزہ کی حقیقی روح پانے کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ وہ جہاں کھانے پینے اور جنسی خواہش سے مجتنب رہتا ہے اس کے ساتھ وہ اپنی دوسری تمام تر خواہشوں کو احکامِ الٰہی کا پابند بنانے کے لیے بھی اپنی تگ ودو جاری رکھتا ہے۔ وہ ان فاقہ کشوں میں اپنے آپ کو شمار نہیں کرتا جنہیں روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ میسر نہیں آتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ:

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ)) (رواه البخارى وابوداؤد والترمذى)

''جس کسی نے (روزے کی حالت میں) جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا ہو وہ جان لے کہ اللہ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ وہ شخص اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔''

معلوم ہوا کہ تین اہم مطالباتِ نفس پر بندشیں عائد کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک مسلمان فکر وعمل کے اعتبار سے ایک صحیح اسلامی زندگی گزارنے کے قابل ہو جائے‘ اس کی زندگی توسط واعتدال اور حسنِ توازن کا ایک شاہکار بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی بھر مسلسل روزے رکھنے سے بھی منع کیا گیا‘ سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی اور سحر وافطار کو باعث برکت قرار دیا گیا‘ تاکہ کوئی آدمی عدم توازن کا شکار ہو کر اپنے آپ کو کسی عذاب میں مبتلا نہ کر دے اور نہ ہی رہبانیت سے اپنے آپ کو اچھوت بنا لے۔

انسان جسم اور روح سے ترکیب پاتا ہے۔ اس کا المیہ یہ ہے کہ جسم کو خوب کھلاتا پلاتا اور اس کی پرورش کرتا ہے۔ کام ودہن کی تمام تر لذتیں اس کے لیے مہیا کرتا ہے۔ عمدہ لباس اسے پہناتا ہے اور جذبوں‘ خواہشوں کی تکمیل کے لیے حدوں کو پھلانگ جاتا ہے‘ مگر اس کے مقابلے میں روح کی بالیدگی اور اس کی نشوونما کی طرف کم توجہ دیتا ہے‘ یا بالکل ہی اس سے غافل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں وہ بعض اوقات انسان نما درندہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ عبادات کا نظام بالخصوص روزے کی مشقت اسے نقطۂ اعتدال پر لاتی ہے۔ فقر ودرویشی‘ زہد وتقویٰ اور تبتّل الی اللہ کی جو شان اس عبادت میں ہے وہ اسی کے ساتھ خاص ہے۔ آدمی کا کھانا پینا اور سونا جب عام معمول سے کم ہو جاتا ہے‘ دن بھر کی لذتوں اور دلچسپیوں میں کمی آ جاتی ہے‘ افطار کے وقت بھی وہ چٹخاروں سے احتراز برتتا ہے اور رات کو قیام اللیل کی صورت میں قراءت واستماع قرآن کے ذریعے روح کی غذا کا اہتمام کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں نفس کے شہوانی میلانات کی جولانیاں کم ہو جاتی ہیں۔ روحِ ملکوتی کا رجحان ویسے بھی ملاءِ اعلیٰ کی طرف ہوتا ہے‘ اس طرح روحِ مَلکوتی کی پرواز میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ عالَمِ ناسوت سے عالَمِ لاہوت کی طرف محوِ سفر ہو کر عجیب کیف وسرور سے شادکام ہوتا ہے۔ اسی خصوصیت کی بدولت اللہ نے روزے کو اپنے ساتھ ایک خاص نسبت دی ہے۔

رمضان میں ہمارے عمل‘ اخلاق اور روح پر نہایت کیف زا اور روح پرور اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ شام وسحر کے الٹ پھیر کا عالَم وہی ہوتا ہے مگر ماحول میں نیکیوں اور بھلائیوں کے پھول کھلنے لگتے ہیں جو اپنی بھینی بھینی خوشبو سے مشامِ جان کو معطر کرتے رہتے ہیں۔ شیطان کی ترغیبات اور نفس کے داعیات کے باوجود تقویٰ کی نشوونما کے لیے ماحول سازگار ہوتا چلا جاتا ہے۔

انسان اپنے مالک کے حضور سربسجود ہوتا ہے اور اقرار کرنے لگتا ہے کہ اس کی محبتوں کا حقیقی مرکز وہی ہے اور اطاعت کا مرجع اس کی ذات ہے۔ باجماعت فرض نماز‘ نماز تراویح‘ یہاں تک کہ تہجد کی نماز کو بھی اپنا معمول بنا لیتا ہے۔ ایسے میں یہ مژدۂ جاں فزا اُس کے لیے مزید تازگی کا سامان فراہم کرتا ہے:

((مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ))
(رواه البخاری ومسلم)

’’جو شخص رمضان کی راتوں میں اپنے ایمان کو قائم رکھتے ہوئے اور احتساب کے ساتھ (تہجد کی نماز پڑھنے کے لیے) کھڑا رہا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔‘‘

یوں اس موسم بہار میں بندۂ مؤمن ﴿فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ﴾ کا مصداق بن کر آہِ سحر گاہی سے اپنے ربّ سے تعلق گہرا کر لیتا ہے۔ ع

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی!

رمضان المبارک میں قرآن نازل ہوا۔ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ...﴾ گویا اس مہینے کو قرآن حکیم سے خصوصی مناسبت ہے۔ فہم قرآن کے لیے خوبصورت گھڑیاں میسر آتی ہیں‘ تدبر وتفکر اور تعقل سے کام لینے کی ساعتیں نصیب ہوتی ہیں‘ تلاوت کے مواقع فزوں تر ہو جاتے ہیں‘ تراویح کی نماز میں قرآن سننے کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ یوں اعتصام بالکتاب اور تمسّک بالکتاب سے ایسی فکری غذا کا حصول ممکن ہو جاتا ہے جو قلوب کو ولولۂ تازہ سے آسودہ کرے اور اللہ کا صحیح پیغام اس کی سمجھ میں آ جائے۔

اس پُر بہار فضا میں روزہ دار عام دنوں کے مقابلے میں گفتگو اور لین دین کے امور میں ذرا احتیاط برتتا ہے۔ حضور ﷺ نے بھی روزہ دار کو فحش گفتگو کرنے اور جھگڑنے سے منع فرمایا‘ تاکہ وہ روزے کے آداب کے منافی سرگرمیوں سے پرہیز کرتے ہوئے اپنی اس عبادت کے تقدس کو پامال نہ ہونے دے۔ فرمایا:

((اِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ ، فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْيَقُلْ اِنِّی امْرُؤٌ صَائِمٌ)) (متفق علیه)

’’جب تم میں سے کسی کا روزے کا دن ہو تو اسے چاہئے کہ وہ فحش باتیں نہ کرے‘ نہ

بدتمیزی کرے۔ اگر کوئی شخص اس سے گالم گلوچ کرے یا جھگڑے تو اسے کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔''

شیطان مختلف راستوں سے بندۂ مؤمن پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتا ہے' اسے بار بار جھگڑنے' فساد کرنے اور گالیاں بکنے پر آمادہ کرتا ہے' مگر مؤمن اس نزغِ شیطان میں پھنسنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ شیطان بطن وفرج کے راستوں سے دخول کی بھرپور سعی کرتا ہے۔ جب روزہ دار اس کے دامِ تزویر میں نہیں آتا تو وہ سٹپٹاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ يَضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَـهُ الْجَنَّةَ))

(صحيح البخاري' كتاب الرقاق)

''جو شخص مجھے ان چیزوں کے بارے میں ضمانت دے سکے جو اُس کے دونوں گالوں اور دونوں ٹانگوں کے درمیان ہیں' تو مَیں اس کے لیے جنت کا ضامن بنتا ہوں۔''

روزہ دار جب بھوک و پیاس کی شدّت سے دوچار ہوتا ہے تو اپنے بھائی بندوں کے لیے اس میں ہمدردی اور مؤاسات کے جذبات ابھرنے لگتے ہیں۔ ایسے میں وہ ایثار و قربانی سے کام لیتا ہے۔ قرآن حکیم کا یہ ارشاد اس کے لیے چشم کشا بن جاتا ہے:

﴿وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰﴾

(المنافقون)

''ہم نے جو کچھ تمہیں بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آ دھمکے' پھر وہ حسرت سے کہے کہ اے ربّ! تو نے مجھے کچھ اور مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیکوکاروں میں سے بنتا!''

حضور نبی کریم ﷺ رمضان کے دنوں میں عام دنوں سے بھی زیادہ فیاضی سے کام لیتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''نبی اکرم ﷺ یوں تو عام حالات میں بھی سب سے زیادہ فیاض تھے' لیکن رمضان میں تو آپؐ سراپا جود و کرم بن جاتے''۔ (متفق علیہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ رمضان میں بہت سخاوت فرماتے تھے' آپؐ کی سخاوت چلتی ہوئی ہوا سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔ (مشکوٰۃ)

انفاق کی ایک صورت روزہ دار کو روزہ افطار کرانا بھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَـهُ مِثْلُ اَجْرِهٖ غَيْرَ اَنَّـهُ لَا يَنْقُصُ مِنْ اَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئًا)) (سنن الترمذی' كتاب الصوم)

''جس نے کسی روزہ دار کو افطار کرایا اس کے لیے روزہ دار کے برابر اجر ہے' جبکہ اس سے روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔''

اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کی پابندی اور حدودِ شریعت کا پاس کرنے کے لیے جس تعلق باللہ کی ضرورت ہے اس کا پیدا ہونا اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم رمضان اور روزہ کے تمام تر تضمنات کو ہر لحظہ پیش نظر رکھیں' کتاب وسُنّت کے ساتھ ہمارا رابطہ مضبوط سے مضبوط تر رہے اور ہم ان پُر بہار ساعتوں میں پوری یکسوئی اور محبت کے ساتھ مذکورہ بالا معمولات پر کاربند رہیں' ہم شعوری طور پر اس کی بندگی میں لطف اور حلاوت محسوس کریں' صرف بندے نہیں بلکہ اس کے حقیقی بندے بن جائیں' اس لیے کہ عبد اور عبدۂ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضرتِ اقبال نے اسے یوں بیان فرمایا ؎

عبد دیگر ' عبدۂ چیزے دیگر
ما سراپا انتظار او منتظر!

❁❁❁

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے دو فکر انگیز خطابات پر مشتمل کتابچہ

توبہ کی عظمت اور تاثیر

اور موجودہ حالات میں کرنے کا اصل کام

اشاعتِ خاص: 65 روپے
اشاعتِ عام: 35 روپے

مغفرت اور اُس کے لوازم

عشرۂ مغفرت کے حوالے سے خصوصی تحریر

مسز بینا حسین خالدی ☆

جس دور میں ہم جی رہے ہیں یہ دور پُرفتن ہے۔ ایک طرف شیطان اپنے پہلے سے زیادہ تیز ہتھیاروں اور مکروفریب کے نت نئے طریقوں کے ساتھ انسانیت اور خاص طور پر مسلمانوں پر حملہ آور ہے‘ اور یہ حملے رمضان المبارک کی آمد سے پہلے پورا سال ہی جاری رہتے ہیں‘ جن کے اثرات رمضان المبارک میں بھی مسلمانوں پر غالب رہتے ہیں۔ دوسری طرف نفسِ انسانی پہلے سے کہیں زیادہ غیر تربیت یافتہ اور کمزور ہے۔ اس دور میں تزکیۂ نفس کا تو تصور ہی محال ہے۔ نیکی بدی میں فرق بتانے والے علم یعنی قرآنی تعلیمات سے دوری میں پہلے سے کہیں زیادہ اضافہ ہو چکا ہے۔ گمراہ کُن فتنوں نے نیکی و بدی کا تصور ہی گڈمڈ کر کے رکھ دیا ہے۔ سونے پر سہاگہ غربت‘ مہنگائی‘ کرپشن‘ بیروزگاری‘ بیماری ہر گھر کا مقدر بنا دیے گئے ہیں۔ معاشرے کی اکثریت غربت‘ جہالت اور غلاظت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ایسے حالات میں معصیت وغفلت سے بچنا تقریباً ناممکن ہو کر رہ گیا ہے۔

رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں جن اہلِ ایمان کو اپنی سال بھر کی غفلتوں اور گناہوں پر شرمندگی کا احساس بے چین کر دیتا ہے وہ یقیناً اللہ تعالیٰ سے مغفرت کے طالب اور توبہ واستغفار کرنے والے بن جاتے ہیں۔ عشرۂ مغفرت میں عام دنوں کی نسبت توبہ کی قبولیت کا امکان کہیں زیادہ بڑھ جاتا ہے‘ لہٰذا عاصیوں کے لیے یہ عشرہ گناہوں کے میل کچیل سے پاک ہونے کا بہترین موقع بن جاتا ہے‘ بشرطیکہ مغفرت طلب کرنے والے کو نیکی بدی کا درست علم بھی ہو اور وہ گناہ کو بحیثیتِ گناہ جانتا ہو۔ گناہ کا اعتراف ہی دراصل وہ پہلی سیڑھی ہے جو توبہ اور ’’تَوْبَۃً

☆ ایڈووکیٹ‘ صادق آباد

نَّصُوْحًا‘‘ کے مدارج تک ایک مؤمن کو لے جاتی ہے —— لیکن اس ابتدائی سیڑھی پر چڑھنے کے راستے میں جو چیز رکاوٹ بنی ہوئی ہے وہ نیکی اور بدی کو گڈمڈ کر دینے والے فتنے ہیں۔

جن معاشروں میں نیکی بدی بن جائے اور بدی خوشنما دکھائی دیتی ہو وہاں ’’نیکی برباد گناہ لازم‘‘ والا ماحول پیدا ہو جاتا ہے۔ ماحول کے ایسے تباہ کُن اثرات کو دُور کرنے کے لیے رمضان المبارک کے گنتی کے چند یوم ناکافی رہتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس طرح حج پر جانے سے پہلے زادِراہ (’’تقویٰ‘‘) کا اکٹھا کرنا ضروری ہے اسی طرح روزہ اور رمضان المبارک بھی مؤمنین و متقین ہی کو فائدہ دے سکتا ہے۔ باقی رہے وہ لوگ کہ جن سے نیکی اور بدی کا علم ہی گم ہو کر رہ گیا ہے‘ وہ تو رمضان المبارک میں بھی اعترافِ گناہ کی پہلی سیڑھی ہی سے دُور رہتے ہیں۔ تاہم اللہ ربّ العزّت توبہ کا دروازہ اپنے بندوں کے لیے ہمیشہ کُھلا رکھتا ہے‘ وہ غفّار الذّنوب اور توابٌ رحیم ہے۔ لفظ غفور کے معنی ہیں کسی کو ایسی چیز پہنا دینا جو اُسے میل کچیل سے محفوظ رکھ سکے۔ اسی سے محاورہ ہے: ’’اغفر ثوبک فی الوعاء‘‘ اپنے کپڑوں کو صندوق میں ڈال کر چھپا دو۔ ’’مَغفِرَۃ‘‘ یا ’’غُفران‘‘ کے معنی ہیں: بندے کو عذاب سے بچا لینا۔ سورۂ آل عمران میں ارشادِ ربانی ہے: ﴿وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (آیت ۱۳۵) ’’اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو؟‘‘ اسماء الحسنیٰ میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ مغفرت ’’الْغَفَّار‘‘ اور ’’الْغَفُوْر‘‘ کے نام سے بیان کی گئی ہے۔ بعض اہلِ لغت کے مطابق ’’مِغفر‘‘ سے مراد لوہے کا خود (helmet) ہے جو دشمن کے وار سے بچنے کے لیے سر پر چڑھایا جاتا ہے اور ’’غِفارَۃ‘‘ اُس چیتھڑے کو کہتے ہیں جسے عورت اپنے دوپٹے کو تیل سے بچانے کے لیے سر پر اوڑھ لیتی ہے۔

حکم ربّانی ہے: ﴿وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ﴾ (آل عمران: ۱۳۳) ’’اور ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھاؤ اپنے ربّ کی طرف سے مغفرت اور وہ جنت حاصل کرنے کے لیے جس کی وسعت آسمانوں اور زمین جتنی ہے‘‘۔ اس میں مغفرت کی طرف مسابقت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کام ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر کیے جائیے جو اللہ کی مغفرت کا سبب بن سکتے ہیں۔ یہ انسان کے لیے لوہے کے اُس خود (ہیلمٹ) کا کام دیتے ہیں جو جنگ کے دوران ایک مجاہد کے سر کو دشمن کے وار سے محفوظ رکھتے ہیں۔ پس جب انسان بھلائیوں کی طرف لپکتا ہے اور اعمالِ حسنہ کرنے کے لیے مستعد رہتا ہے‘ نیکیوں کا متلاشی

اوران کے لیے فکرمند و بے قرار رہتا ہے تو گویا اُس نے گناہوں سے بچنے کے لیے ایک ایسا خود پہن لیا جس پر شیطان کا ہر وار خطا ہو جاتا ہے۔ گویا کہ وہ ایک ایسے صندوق میں محفوظ ہو گیا جس نے اُسے گناہوں کے میل کچیل سے بچا لیا اور وہ صندوق کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا دامنِ رحمت ـــــ کہ اب وہ مغفرت کا طالب اور جنت کا راہی ہے۔ اس لیے وہ جملۂ بھلائی کے کاموں کے لیے مستعد رہتا ہے اور نیکیوں کے معاملے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی مصروفیت عین ممکن ہے کہ اُسے بدی اور گناہوں کے لیے فرصت ہی نہ لینے دے۔ اپنے اعمال کے ذریعے سے اللہ سے مغفرت طلب کرنا اور اُس کے دامنِ رحمت میں چھپ جانے کی کوشش کرنا یقیناً افضل اعمال ہیں اور زبان سے مغفرت طلب کرنا بھی اُسوۂ نبویؐ ہے۔ چنانچہ سیّدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''افضل استغفار یہ ہے کہ تم یوں دعا کرو:

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ ' وَاَنَا عَبْدُکَ وَاَنَا عَلٰی عَھْدِکَ وَ وَعْدِکَ مَا اسْتَطَعْتُ' اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ' اَبُوْءُ لَکَ بِنِعْمَتِکَ عَلَیَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِیْ 'فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ

''اے اللہ! تُو میرا پروردگار ہے' تیرے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں' تُو میرا خالق ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور مَیں استطاعت کے مطابق تیرے وعدے پر قائم ہوں' مَیں تجھ سے اس چیز کے شر سے پناہ طلب کرتا ہوں جو مجھ سے سرزد ہوئی' میں تیرے احسانات کا اقرار کرتا ہوں جو مجھ پر ہیں اور مَیں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ پس تُو مجھے معاف فرما دے' تیرے سوا کوئی میرے گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص دن میں یہ کلمات ان پر یقین رکھتے ہوئے کہے اور وہ شام ہونے سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ جنت میں داخل ہوگا اور جو شخص رات میں یہ کلمات ان پر یقین رکھتے ہوئے کہے اور وہ صبح ہونے سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ بھی جنت میں داخل ہوگا۔''
(ابن ماجہ' سنن ابی داؤد' الترمذی)

مغفرت کے بھی دو معنی ہی: ایک معنی کُلی مغفرت کے ہیں اور دوسرے معنی ہیں جزوی مغفرت ـــــ کُلی مغفرت یہ ہے کہ بندے کے سارے قصور معاف کر دیے جائیں اور جزوی مغفرت یہ ہے کہ اُس کی ایک ایک نیکی اُس کے ایک ایک گناہ کا بدلہ ہوتی چلی جائے۔ ایسا

نہیں ہے کہ وہ گناہوں پر پکڑ ہی لیا جائے۔ آخرت میں حساب لگایا جائے گا کہ اُس آدمی نے کتنی نیکیاں کی ہیں اور کتنی بدیاں اس سے سرزد ہوئی ہیں۔ اُس کی نیکیوں کے حساب سے اُس کی بدیاں چھانٹ دی جائیں گی۔ اگر اس کے بعد بھی بدیاں باقی رہ جائیں گی تو اُس صورت میں اسے سزا ملنے کا سوال پیدا ہوگا' لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان سے اس کو سزا دیے بغیر بخش دے۔

عشرۂ مغفرت میں اپنے اعمال اور زبان سے توبہ و استغفار کرنا اور اللہ تعالیٰ سے رحم و درگزر طلب کرنا بندے کی اپنے حق میں دعا ہے۔ جب روزے کی حالت میں بندہ اپنے حق میں یہ دعا مانگتا ہے تو اس کی قبولیت کا امکان بڑھ جاتا ہے جیسا کہ حدیثِ مبارکہ کے مطابق روزہ افطار کرنے سے کچھ لمحے قبل مانگی گئی دُعا رد نہیں کی جاتی۔ لہٰذا ایسے لمحۂ قبولیت میں اپنے لیے ایک مومن جو بہترین چیز طلب کرتا ہے وہ ایمان و ہدایت کا خزانہ اور گناہوں سے مغفرت جیسا فضلِ عظیم ہی ہو سکتا ہے۔ اعترافِ گناہ اور توبہ چونکہ مغفرت کے حصول کے لیے اولین لوازم ہیں اس لیے ان لوازم کا علم بھی ضروری ہے۔ سورۃ التوبہ میں غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا تھا: ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾﴾ ''اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جو اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں' انہوں نے اچھے اور بُرے اعمال کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ ان کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔ یقیناً اللہ بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

گناہوں کے معاملے میں بجائے اعتراف کرنے اور شرمندہ ہونے کے اگر دلیلیں گھڑ کر خود کو مطمئن کر لیا جائے تو اعتراف کی پہلی سیڑھی سے گزر کر توبہ کے دوسرے مرحلے تک رسائی کیسے ہوگی' جبکہ گناہگار کے نزدیک تو وہ کسی قسم کے قصور کا مرتکب ہوا ہی نہیں۔ شرک و بدعات' توہمات اور فلسفۂ اضطرار کے معاملے میں آج ہمارے معاشرے میں بے شمار دلیلیں موجود ہیں اور کچھ نام نہاد علماء تو شرک و بدعات جیسے کبیرہ گناہوں کے جواز میں قرآن حکیم کی آیات سے استدلال کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے جیسا ظلمِ عظیم کرتے ہیں۔ جن کاموں کے کرنے کا نہ تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے' اور

نہ ہی آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں سے ایسے کسی طرزِ عمل کا اظہار ہوا اُن بدعتی رسومات کو ثواب سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ شیطان کو گناہ سے زیادہ بدعات پسند ہیں کہ گنہگار تو کبھی نہ کبھی تائب ہوسکتا ہے لیکن بدعتی اپنے جن اعمال کو ثواب کے حصول کا ذریعہ سمجھتا ہے ان بدعتی رسومات کو ترک نہیں کرتا' یہاں تک کہ رمضان المبارک میں بھی یہ رسومات جاری رہتی ہیں۔

انسانیت پرستی اور مذہبی رواداری کے نام پر غیر مسلموں کی مشرکانہ رسومات اور تہواروں میں شامل ہونا آج گناہ نہیں سمجھا جاتا۔ ہولی' دیوالی' بسنت' ایسٹر' کرسمس وغیرہ میں شامل ہو کر اہلِ اسلام یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو عین انسانیت پرستی ہے اور ایسا کرنے سے مذہب کی بنیاد پر انسانوں میں تفریق کا خاتمہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اعترافِ گناہ و توبہ وغیرہ کا اس معاملے میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مذہبی رواداری سے متعلق یہ کج فہمی بڑھتے بڑھتے لبرل ازم کی طرف لے جاتی ہے۔ اس طرح ایک مؤمن کے بدعتی' ملحد اور بے دین ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے گناہوں کے مقابلے میں دلیل پر دلیل گھڑتا چلا جائے' یہاں تک کہ ایمان کا جنازہ اٹھ جائے اور اُسے خبر بھی نہ ہو۔ کاروبارِ معیشت ہو' تجارت ہو' سیاست ہو یا تہذیب و تمدن سے متعلق معاملہ ہو' غرضیکہ ہر جگہ کبیرہ و صغیرہ گناہوں کے مقابلے میں دلیلیں گھڑ لی گئی ہیں۔ یہی وہ دلیلیں ہیں جو اعترافِ گناہ میں رکاوٹ ہیں۔ پھر کبیرہ گناہوں کو کانٹ چھانٹ کر چھوٹا بنا لینا ایسے معاشرے میں کون سی مشکل بات ہے؟

رمضان المبارک کا عشرۂ مغفرت کیا اپنے اندر ایسی کوئی خاصیت رکھتا ہے کہ مسلمانوں کو گناہوں سے مغفرت خود بخود حاصل ہو جاتی ہے؟ جس طرح عشرۂ رحمت سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس عشرے میں ہر دن اور ہر لمحے میں اللہ ربّ العزّت کی رحمت گُھل جاتی ہے اور مؤمنین کو خود بخود حاصل ہو جاتی ہے اسی طرح اللہ کی مغفرت بھی کسی بارش کی شکل میں نازل ہو کر گناہگاروں کے گناہوں کو نہیں دھوتی' بلکہ مغفرت کے حصول کے لیے ان تمام لوازم کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے جو قبولیتِ توبہ کے لیے ضروری ہیں۔ سورۃ التحریم (آیت ۸) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰي رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی جناب میں توبہ کرو خالص توبہ۔ بعید نہیں کہ اللہ

تمہاری بُرائیاں دور کر دے اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل فرما دے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔''

گناہ سرزد ہو جانے کے بعد توبہ کرنا واجب اور ضروری ہے۔ اگر گناہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے تو ایسے گناہ سے توبہ کی قبولیت کی تین شرائط ہیں:

(۱) اعترافِ گناہ یا شرمندگی (۲) ترکِ گناہ (۳) گناہ ترک کرنے کا پختہ ارادہ

اگر ان تینوں لوازم میں سے کوئی ایک بھی کم ہوگا تو یہ توبہ صحیح نہیں ہوگی' البتہ اگر گناہ کا تعلق کسی انسان سے ہے تو اُس گناہ سے توبہ کے لیے ان شرائط کے ساتھ چوتھی شرط یہ ہے کہ صاحبِ حق کا حق ادا کیا جائے۔ اگر کسی کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد یا کوئی بھی چیز جو ناجائز طریقے سے لوٹی یا ہتھیائی ہے تو اُسے واپس کی جائے۔ اگر کوئی شخص حکمران طبقے سے تعلق رکھتا ہے اور اس نے ملکی خزانے کو لوٹا ہے' یا کسی ادارے کی امانت کو ہڑپ کیا ہے اور اگر طاقتور تھا تو کسی فرد' افراد یا خاندان کا حق مارا ہے تو اُسے واپس کرے۔ اگر کسی پر تہمت لگائی ہے تو اس کی شرعی مجوزہ حد اپنی ذات پر لگوائے۔ قتلِ ناحق کیا ہے تو قصاص یا دیت ادا کرے یا متاثرہ شخص سے معافی مانگ کر اُسے راضی کرے۔ غیبت جیسا کبیرہ گناہ بھی اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک اُس شخص سے معافی نہ مانگی جائے جس کی غیبت کی ہے۔ اِلّا یہ کہ متعلقہ شخص کو اس کا علم نہ ہو۔ ایسی صورت میں کثرت سے دعائیں اور توبہ و استغفار کرے اور اپنی توبہ پر قائم رہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۳۹ ﴾ (المائدہ)

''پھر جو کوئی ظلم کرنے کے بعد توبہ کرے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ کی نظرِ عنایت پھر اُس پر مائل ہو جائے گی۔ اللہ بہت درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح معنوں میں توبہ کرنے اور پھر اپنی توبہ پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❁❁❁

میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے انٹرنیٹ ایڈیشن
تنظیم اسلامی کی ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے۔

غزوۂ بدر: یوم الفرقان

احمد علی محمودی

میدانِ بدر

''بدر'' مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل پر وادی یلیل میں بیضوی شکل کا ایک وسیع میدان ہے۔ یہ ساڑھے پانچ میل لمبا اور ساڑھے چار میل چوڑا ہے جو پہاڑوں میں گھرا ہوا تھا۔ یمن اور شام کی تجارتی شاہراہ اسی میدان سے گزرتی تھی۔ مکّہ اور مدینہ کے درمیان آمدورفت بھی اسی میدان سے گزر کر ہوتی تھی۔ اس جگہ کا یہ نام پڑنے کی کئی وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہاں پر بدر بن نضر بن کنانہ نے ایک کنواں کھدوایا تھا جس کا پانی اس قدر شفّاف تھا کہ اس میں چاند کا عکس نظر آیا کرتا تھا۔ کنواں چونکہ گول شکل کا تھا اس لیے اس کا نام بدر پڑ گیا۔

میدانِ بدر کی فضیلت

اس علاقے کی فضیلت کئی لحاظ سے ہے۔ یہاں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی فتح کے لیے جو دعائیں کیں وہ تقریباً تمام کی تمام سیرت النبی ﷺ کی کتب میں منقول ہیں۔ بدر کے میدان ہی میں کُفّار کے ساتھ جنگ میں حضرت جبریل علیہ السلام نے فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ مسلمانوں کی مدد کی۔

یوم الفرقان

غزوۂ بدر تمام غزوات سے افضل اور اعلیٰ غزوہ ہے۔ جس روز یہ معرکۂ حق و باطل ہوا، قرآن حکیم نے اسے ''یوم الفرقان'' قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کے مقابلے میں مسلمانوں کی کم تعداد کے باوجود اہلِ اسلام کو عزّت بخشی اور اہلِ شرک کو ذلیل و رسوا کیا۔

اہلِ بدر کی فضیلت

صحیح بخاری میں معاذ بن رفاع بدری سے روایت ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے پوچھا: ''آپ اپنے اہلِ بدر کو کیسا خیال کرتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہم انہیں

افضل ترین مسلمان سمجھتے ہیں''۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: ''ہم بدر میں شریک ہونے والے فرشتوں کو اپنے میں ایسا ہی سمجھتے ہیں۔''

روانگی

غزوۂ بدر ہجرت کے انیس ماہ بعد ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ کو ہوا۔ مدینہ سے روانگی کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ ۱۲ رمضان کو مدینہ سے روانگی ہوئی جبکہ بعض کے مطابق ۸ رمضان کو مدینہ سے نکلے تھے۔

غزوہ کا سبب

غزوۂ بدر کفر و اسلام کا پہلا فیصلہ کن معرکہ ہے۔ اس سے قبل رسول اللہ ﷺ نے ڈیڑھ سال کے اندر اہلِ مکّہ کی معاشی ناکہ بندی کی غرض سے آٹھ مہمات بھیجی تھیں، جن میں ایک غزوۂ ذوالعشیرہ بہت اہم ہے اور دوسرا وادیٔ نخلہ کا فیصلہ کن واقعہ۔ یہ دونوں واقعات غزوۂ بدر کا اصل سبب بنے ہیں۔ رجب ۲ھ میں حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو چند صحابہؓ کے ہمراہ بھیجا تھا کہ وہ وادیٔ نخلہ میں قیام کریں اور قریش کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھتے ہوئے حضور ﷺ کو اس کے بارے میں اطلاعات دیتے رہیں۔ وہاں قریش کے ایک مختصر سے قافلے کے ساتھ ان کی مڈبھیڑ ہوگئی اور ایک شخص عمرو بن عبداللہ الحضرمی مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ مکّہ میں جب یہ خبر پہنچی تو وہاں گویا آگ لگ گئی۔

دوسری طرف قریش نے مدینہ پر حملہ کے مصارف اکٹھے کرنے کے لیے ایک مشترکہ تجارتی کارواں ابوسفیان کی سربراہی میں شام روانہ کیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ اس قافلے کے تعاقب کے لیے بنفسِ نفیس نکلے تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ڈیڑھ سو مہاجرین اور تیس اونٹ تھے۔ آپ ﷺ قافلہ کے تعاقب میں ینبوع تک پہنچ گئے تھے۔ لیکن چند دنوں کا فصل پڑ گیا تھا اور قافلہ شام کی طرف نکل چکا تھا۔ اس کا راستہ روکا نہیں جا سکا۔ یہی قافلہ جب شام سے پلٹ کر مکّہ واپس آنے والا تھا تو نبی ﷺ نے طلحہ بن عبید اللہؓ اور سعید بن زیدؓ کو اس کے حالات کا پتا لگانے کے لیے شمال کی جانب روانہ فرمایا۔ یہ دونوں صحابی مقامِ حوارء تک تشریف لے گئے اور وہیں ٹھہرے رہے۔ جب ابوسفیان قافلہ لے کر وہاں سے گزرا تو یہ نہایت تیز رفتاری سے مدینہ پلٹے اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ اس قافلے میں اہلِ مکّہ کی بڑی دولت تھی، یعنی ایک ہزار اونٹ تھے جن پر کم از کم پچاس ہزار دینار (دو سو ساڑھے باسٹھ کیلو سونے) کی مالیت کا

سازوسامان لدا ہوا تھا' دراں حالیکہ اس کی حفاظت کے لیے صرف چالیس آدمی تھے۔

اہلِ مدینہ کے لیے یہ بڑا زرّین موقع تھا' جبکہ اہلِ مکّہ کے لیے اس مالِ فراواں سے محرومی بڑی زبردست فوجی' سیاسی اور اقتصادی مار کی حیثیت رکھتی تھی' اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے اندر اعلان فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ مال و دولت لیے چلا آ رہا ہے' اس کے لیے نکل پڑو۔ ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بطورِ غنیمت تمہارے حوالے کر دے۔ لیکن آپؐ نے کسی پر روانگی ضروری نہیں قرار دی' بلکہ اسے محض لوگوں کی رغبت پر چھوڑ دیا۔ کیونکہ اس اعلان کے وقت یہ توقع نہیں تھی کہ قافلے کے بجائے لشکرِ قریش کے ساتھ میدانِ بدر میں ایک نہایت پُرزور ٹکر ہو جائے گی اور یہی وجہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ ہی میں رہ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ سفر آپؐ کی گزشتہ عام فوجی مہمات سے مختلف نہ ہوگا اور اسی لیے اس غزوے میں شریک نہ ہونے والوں سے کوئی باز پرس نہیں کی گئی۔

مکّہ میں خطرے کا اعلان

سالارِ قافلہ ابوسفیان حد درجہ محتاط تھا۔ وہ حالات کا مسلسل پتا لگاتا رہتا تھا اور جن قافلوں سے ملاقات ہوتی تھی ان سے کیفیت دریافت کرتا رہتا تھا' چنانچہ اسے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ محمد ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو قافلے پر حملے کی دعوت دے دی ہے' لہٰذا اُس نے فوراً ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکّہ بھیجا کہ وہاں جا کر قافلے کی حفاظت کے لیے قریش میں نفیرِ عام کی صدا لگائے۔ ضمضم نہایت تیز رفتاری سے مکّہ آیا اور وادیٔ مکّہ میں اپنے اونٹ پر کھڑے ہو کر آواز لگائی: ''اے جماعت قریش! قافلہ--- قافلہ--- تمہارا مال جو ابوسفیان کے ہمراہ ہے اس پر محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی دھاوا بولنے جا رہے ہیں۔ مجھے یقین نہیں کہ تم اُسے پا سکو گے۔ مدد--- مدد---!!

جنگ کے لیے اہلِ مکّہ کی تیاری

یہ آواز سن کر لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ کہنے لگے محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی سمجھتے ہیں کہ یہ قافلہ بھی ابن حضرمی کے قافلے جیسا ہے؟ جی نہیں! ہرگز نہیں۔ خدا کی قسم! انہیں پتا چل جائے گا کہ ہمارا معاملہ کچھ اور ہے۔ چنانچہ سارے مکّہ میں دو ہی طرح کے لوگ تھے۔ یا تو آدمی خود جنگ کے لیے نکل رہا تھا یا اپنی جگہ کسی اور کو بھیج رہا تھا اور اس طرح گویا سبھی نکل پڑے۔ بدر کے مقام پر دونوں فوجیں آمنے سامنے ہو گئیں۔ ابوسفیان راستہ بدل کر سمندر کے کنارے

کنارے چلتا ہوا مکّہ پہنچ گیا اور وہاں سے قریش کی فوج کے سردار ابوجہل کو پیغام بھیجا کہ ہم خیریت سے مکّہ پہنچ گئے ہیں۔ لیکن ابوجہل واپسی کے لیے تیار نہ ہوا۔ یوں جنگ ناگزیر ہو گئی۔

لشکروں کا پڑاؤ

بدر کا زیادہ تر علاقہ ریت سے ڈھکا ہوا تھا۔ مسلمان وہاں پہنچے تو اللہ کی تائید انہیں حاصل تھی۔ اس موقع پر اتنے زور کی بارش ہوئی کہ پورا خطہ جل تھل ہو گیا۔ مسلمانوں کے پڑاؤ کی جگہ پر ریت زیادہ ہونے کی وجہ سے چلنا پھرنا آسان تھا۔ قریش نے چونکہ نشیبی جگہ پر پڑاؤ ڈالا تھا وہ کیچڑ سے بھر گئی اور مشرکین کے لیے چلنا بھی مشکل ہو گیا۔

سائبان کی تیاری

قریشِ مکّہ جب مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے لیے بدر کے قریب پہنچے تو مدینہ سے مسلمان بھی وہاں پہنچ گئے۔ ایک اونچی جگہ دیکھ کر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کی: ''یا رسول اللہ ﷺ! ہم آپ کے لیے ایک سائبان تیار کرنا چاہتے ہیں تاکہ جنگ کے دوران آپ یہاں تشریف رکھیں۔ آپ ﷺ کے پاس سواریاں تیار رہیں گی اور پھر ہم دشمن سے مقابلہ کریں گے۔ اللہ نے ہمیں غلبہ عنایت فرمایا اور دشمن پر فتح نصیب ہوئی تو ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا اور اگر کوئی دوسری صورت پیش آئی (یعنی مسلمانوں کو شکست ہوئی) تو آپ ﷺ سوار ہو کر ان لوگوں سے مل جایئے جو ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں (یعنی مدینہ چلے جائیں)۔'' آپ ﷺ نے اس تجویز کو پسند کیا اور سعد بن معاذؓ کی بھلائی کے لیے دعا کی۔ اس کے بعد سائبان بنایا گیا۔ اب وہاں مسجد عریش ہے۔ عریش کا معنی سائبان ہے۔ آپ ﷺ سائبان میں بیٹھے دعاؤں میں مصروف تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی ہمراہ تھے۔ دعا کرتے کرتے اچانک آپ کے سر مبارک کو جنبش ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر خوش ہو جاؤ۔ تمہارے پاس اللہ کی مدد آ گئی۔ یہ جبریلؑ ہیں جو گھوڑے کی باگ تھامے اسے کھینچ رہے ہیں جس کے سامنے کے دانتوں پر غبار ہے۔'' (یعنی گھوڑا دور سے اور تیزی سے سفر کرتا ہوا پہنچا ہے۔)

معرکہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جنگ شروع ہوئی تو دو لڑکے ان کے پاس آئے۔ ایک نے کہا: ''چچا! ہمیں ابوجہل دکھائیں۔'' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے پوچھا: ''بھتیجے! تم پوچھ کر کیا کرو گے؟'' اس نے کہا: ''سنا ہے کہ

ابوجہل حضور ﷺ کو گالی دیتا ہے۔ اُس خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر میں نے اسے دیکھ لیا تو اُس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک ہم میں سے ایک موت کے گھاٹ نہ اتر جائے''۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے انہیں ابوجہل دکھایا۔ دونوں بچے تلواریں لے کر اُس کی جانب بھاگے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسے زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ پھر آ کر حضور ﷺ کو بتایا۔ یہ بچے معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ اور معوذ بن عفرا رضی اللہ عنہ تھے۔ حضور ﷺ نے جنگ کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو میدان میں بھیجا کہ ابوجہل کی تلاش کرو۔ اس کے کچھ سانس ابھی باقی تھے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کی گردن پر پاؤں رکھا تو ابوجہل نے کہا: ''او بکریاں چرانے والے گڈریے! تُو ایک سخت جان پر چڑھا ہوا ہے''۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ابوجہل کا سر کاٹ کر رسول اکرم ﷺ کو پیش کر دیا۔

قریش کے دوسرے بڑے سردار اُمیہ بن خلف اور اس کے بیٹے کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے گرفتار کیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو انصارِ مدینہ کو یہ کہہ کر ساتھ لائے کہ اللہ کا یہ دشمن مجھے مکّہ میں اذیت دیا کرتا تھا۔ حضرت بلالؓ اور ایک انصاری نے مل کر اُمیہ بن خلف کو قتل کر دیا۔ اُمیہ کے قتل کی حضور ﷺ نے پہلے ہی پیش گوئی کر دی تھی۔

لڑائی کے دوران عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آپ ﷺ نے انہیں ایک لکڑی دی۔ انہوں نے جیسے ہی اسے پکڑا وہ ایک لمبی تلوار بن گئی، جس سے وہ جنگوں میں لڑتے رہے۔ جنگ بدر میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قریش کے ایک اور سردار عبیدہ بن سعید بن عاص کو سر سے پاؤں تک لوہے کی زرہ میں ڈھکا ہوا دیکھا۔ اس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ حضرت زبیرؓ نے تاک کر اس کی آنکھ میں نیزہ مارا جس سے وہ مر گیا۔ تاہم نیزہ زرہ میں پھنس گیا اور بڑی مشکل سے نکالا گیا۔ یہ نیزہ حضور ﷺ نے آپؓ سے مانگ لیا۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد یہ نیزہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم کے پاس رہا۔

بعد از فتح

فتح کے بعد قریش کے ۲۴ سرداروں کی لاشیں ایک کنویں میں ڈال دی گئیں جبکہ ۷۰ گرفتار ہوئے۔ گرفتار ہونے والوں میں حضرت عباسؓ اور رسول اللہ ﷺ کے داماد (سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر) ابوالعاص بن ربیع بھی شامل تھے۔ حضرت عباسؓ کہتے رہے کہ مَیں مسلمان ہوں، قریش مجھے زبردستی لائے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ سے

پوچھا: ''مال کہاں چھپا رکھا ہے؟'' یہ سنتے ہی حضرت عباسؓ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے یقین آ گیا ہے کہ آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں، کیونکہ اس مال کا میرے اور میری اہلیہ اُمّ الفضل کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔''

ابوالعاص بن ربیع کی رہائی کے لیے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے سونے کا وہ ہار روانہ کیا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شادی کے موقع پر سیّدہ زینبؓ کو دیا تھا۔ ہار دیکھتے ہی آپ ﷺ آبدیدہ ہو گئے اور فدیہ لیے بغیر انہیں چھوڑ دیا، تاہم یہ وعدہ لیا کہ وہ سیّدہ زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں گے۔ انہوں نے وعدہ پورا کیا اور سیّدہ زینبؓ کو آپ ﷺ کے پاس بھجوا دیا۔

ایک علم دوست فیصلہ

آپ ﷺ نے ایسے قیدیوں کو جن کے پاس فدیہ کی ادائیگی کے لیے رقم نہ تھی، یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ ایک مخصوص عرصے تک مدینہ کے بچوں کو تعلیم دیں۔ جب وہ پڑھنے لکھنے کے قابل ہو جائیں گے تو یہ ان کا فدیہ تصوّر کیا جائے گا۔

فوجوں کا تناسب

غزوۂ بدر میں شریک مسلمانوں کی تعداد ۳۰۰ سے زائد بتائی جاتی ہے۔ بیشتر مؤرخین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ تعداد ۳۱۳ تھی۔ ان میں سے ۸۶ مہاجر تھے، ۶۱ کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا جبکہ ۱۷۰ قبیلہ خزرج سے تھے۔ پورے لشکر میں صرف دو یا تین افراد کے پاس گھوڑے تھے، باقی افراد کے لیے ۷۰ اونٹ تھے جن پر تین تین، چار چار افراد باری باری سفر کرتے تھے۔ صرف ۶۰ افراد کے پاس زرہیں تھیں۔ دوسری جانب قریش مکّہ کا لشکر تقریباً ایک ہزار جنگجو افراد پر مشتمل تھا۔ ان میں سے ۶۰۰ زرہ پوش تھے۔ ایک سو سواروں کا رسالہ بھی شامل تھا۔ گویا تناسب ایک اور تین کا تھا۔ تین بھی وہ جو ایک کے مقابلے میں بہتر انداز میں مسلح تھے۔

فتح کا اعلان

غزوۂ بدر کی عظیم الشان فتح کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلے پر واقع عالیہ کی جانب جبکہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو سافلہ کی طرف روانہ کیا کہ وہ ان دونوں علاقوں کے رہنے والوں کو فتح کی نوید دیں۔

❁❁❁

تربیتِ اولاد: کیوں اور کیسے؟

شیخ الحدیث مولانا زبیر احمد صدیقی ☆

اولاد حق تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ یہ نسلِ انسانی کی بقا' حسب ونسب کے تسلسل اور انسانی ومعاشرتی عمارت کی تعمیر کا ذریعہ ہے۔ ایک انسان کے لیے اولاد زندگی کے معاملات میں تقویت کا باعث بنتی ہے جبکہ وفات کے بعد اُس کی میراث کی حق دار ٹھہرتی ہے۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا دنیا سے تعلق اگرچہ کم سے کم ضرورت ہی کی حد تک تھا' اس کے باوجود انہیں بھی اولاد کی تمنا اور آرزو رہی۔ قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام جیسے اولوالعزم انبیاء کی ان دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے جو انہوں نے طلبِ اولاد کے سلسلہ میں کیں۔ ان ادعیہ قرآنی میں بیٹے کی طلب کے ساتھ یہ حکمت بھی مذکور ہے کہ بیٹا اپنے باپ اور بزرگوں کا علمی وعملی وارث ہوگا۔

نیک اولاد اپنے والدین کا سہارا بننے اور ان کے دکھوں کا مداوا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کی آرزو ہوتی ہے کہ اپنے والدین کے ناتمام امور اور خواہشات کو عملی جامہ پہنائے۔ گویا ماں باپ اور خاندان کی عزّت وتکریم بھی ایک طرح سے اولاد ہی سے وابستہ ہوتی ہے۔ والدین اور اولاد دونوں کے قلوب میں ایک دوسرے کے لیے محبّت فطری طور پر موجود ہوتی ہے۔ اس لیے جانبین ایک دوسرے کے لیے باعثِ نفع اور باعثِ سہارا ہوتے ہیں۔ اولاد جتنی صالح' باصلاحیت' محنتی' باسلیقہ اور باادب ہوا تنی ہی والدین' خاندان اور برادری کے لیے باعثِ عزّ وشرف ہوتی ہے۔ اس کے برعکس بدکار' نکمّے' کام چور' بے سلیقہ اور بے ادب بچے اپنے والدین' خاندان اور معاشرے کے لیے باعثِ ننگ وعار ہوتے ہیں۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ بعض بیٹے اور بیٹیاں ماں باپ کا نام روشن کرتے ہیں جبکہ کچھ والدین کو بدنام اور رسوا کرتے ہیں۔ اولاد کی

☆ مدیر' جامعہ فاروقیہ' شجاع آباد۔ ناظم' وفاق المدارس العربیہ پاکستان

تربیت ایک مسلسل عمل ہے جو بچے کی ولادت سے والدین کی وفات تک جاری رہتا ہے۔

اولاد کی لیاقت اور صلاحیت کی نشوونما میں جہاں دیگر عوامل کارفرما ہوتے ہیں وہاں والدین کی تربیت کا عنصر بھی نہایت اہم ہوتا ہے۔ بچہ اپنے ماں باپ سے صرف طبیعیاتی خصوصیات ہی حاصل نہیں کرتا بلکہ دین ودنیا' علم وعمل اور عادات واطوار کے حوالے سے بھی ایک بڑا حصّہ اپنے والدین ہی سے پاتا ہے۔ یہ بالکل صحیح کہا جاتا ہے کہ ہر بچے کے لیے پہلی درس گاہ ماں کی گود اور باپ کا کندھا ہی ہوتی ہے۔ لاشعوری طور پر ہی سہی لیکن وہ اپنے ماں باپ کی خصلتوں کو اپنے اندر جذب ضرور کرتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حقیقت کو خوب واضح فرمایا ہے:

((مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ إِلَّا يُوْلَدُ عَلَى الفِطْرَةِ ' فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ' أَوْ يُنَصِّرَانِهِ' أَوْ يُمَجِّسَانِهِ)) (متفق عليه)

''ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے' پس اُس کے والدین اُسے یہودی بنا دیتے ہیں' نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

مذکورہ بالا حدیث میں تو اولاد کی بداعتقادی اور گمراہی کا ذمہ دار بھی والدین ہی کو ٹھہرایا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روزِ محشر والدین سے اولاد کی بابت بھی سوال ہوگا۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (التحریم:٦)

''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔''

نیز حدیث نبویؐ ہے:

((أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) (متفق عليه)

''تم میں سے ہر شخص محافظ اور ذمّہ دار ہے' اور ہر شخص سے اس کی رعیت (جو کوئی اور جو چیز اس کی ذمّہ داری میں ہے) کے متعلق پوچھا جائے گا۔''

قرآن کریم میں مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے حوالے سے متعدد ایسے واقعات اور فرامین مذکور ہیں جو ان کی ازواج اور اولاد کی اصلاح وتربیت سے متعلق ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بوقتِ وفات اپنے صاحب زادوں کو جمع کر کے اُن کی جو اعتقادی تربیت کی' اُسے اللہ تعالیٰ نے یوں

بیان فرمایا ہے:

﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾﴾ (البقرۃ)

''کیا اس وقت تم موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آیا تھا' جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ اُن سب نے کہا تھا کہ ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم' اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی' جو معبودِ واحد ہے' اور ہم صرف اُسی کے فرماں بردار ہیں۔''

عام مشاہدہ یہی ہے کہ جو والدین اپنی اولاد کی تربیت میں ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہیں ان کے بچے لائق' مہذب اور مؤدب ہوتے ہیں۔ دورِ حاضر میں ایک بہت بڑا مسئلہ نسلِ نو کی تربیت کا ہے۔ ہمارے ملک میں ایک بڑا طبقہ اس فریضہ سے غفلت برتتا ہے۔ چنانچہ دینی اور معاشرتی انحطاط بڑھتا جا رہا ہے۔ خود کو شرفاء اور معززین کی صف میں سمجھنے والوں کی اولاد بھی معاشرے کے حسن میں اضافہ کرنے کے بجائے اُس کے چہرے کا بدنما داغ بنتی جا رہی ہے۔ کالجز اور یونیورسٹیز میں بعض طلبہ وطالبات شرم ناک کھیل کھیلتے نظر آتے ہیں۔ تعلیم یافتہ طبقہ کا ایک معتدبہ حصّہ خوفِ خدا سے عاری ہو کر ظلم وستم' ناانصافی' بدعنوانی اور خیانت کا مرتکب ہو رہا ہے۔ عدل و انصاف کا حصول محض ایک خواب بن کر رہ گیا ہے۔ انسانیت اُنس سے خالی اور مسلمان سلامتی سے عاری ہوتا جا رہا ہے۔

اسلام نے تربیتِ اولاد کا سلسلہ اس کی ولادت سے قبل ہی شروع کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سلسلے میں ہدایت دی گئی کہ حق تعالیٰ سے نیک اولاد کی دعا کی جائے۔ قرآن کریم میں نیک اولاد کی طلب کی متعدد دعائیں ذکر کی گئی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا بایں الفاظ ذکر ہوئی ہے:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾﴾ (الصّٰفّٰت)

''میرے پروردگار! مجھے ایک ایسا بیٹا دے جو نیک لوگوں میں سے ہو۔''

حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ ربّ العزت کے حضور یوں دعا کی:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾﴾

(آلِ عمران)

''یاربّ! مجھے خاص اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما دے۔ بے شک تو دعا سننے والا ہے۔''

ایک مقام پر ''عبادالرحمٰن'' کی صفات بیان کرتے ہوئے ان کی دعا نقل کی گئی:

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿۷۴﴾﴾ (الفرقان)

''ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے بیوی بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما' اور ہمیں پرہیزگاروں کا سربراہ بنا دے۔''

اولاد کو اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمیٰ قرار دے کر اس کی قدردانی کی ترغیب یوں دی گئی:

﴿يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾﴾ (الشوریٰ)

''وہ جس کو چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے۔''

دورِ جاہلیت میں لوگ بیٹے کی ولادت پر خوشی کا اظہار کرتے جبکہ بیٹی پیدا ہونے پر غم زدہ اور افسردہ ہو جاتے۔ اس رویّے کی ان الفاظ میں مذمّت کی گئی:

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾﴾ (النحل)

''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کی پیدائش) کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے۔ اس خوش خبری کو برا سمجھ کر لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔ (اور یہ سوچتا ہے کہ) ذلت برداشت کر کے اسے اپنے پاس رہنے دے یا اسے زمین میں گاڑ دے۔ دیکھو انہوں نے کتنی بری باتیں طے کر رکھی ہیں۔''

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیٹیوں کے خصوصی فضائل ارشاد فرمائے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهٗ اُنْثٰى فَلَمْ يَئِدْهَا وَلَمْ يُهِنْهَا وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهٗ عَلَيْهَا يَعْنِي الذُّكُوْرَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ)) (رواه احمد والحاكم فى المستدرک)

''جس شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہو' پھر وہ نہ تو اُسے کوئی ایذا پہنچائے اور نہ اُس کی توہین اور ناقدری کرے' اور نہ (محبّت اور برتاؤ میں) لڑکوں کو اُس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ

(لڑکی کے ساتھ اس حُسنِ سلوک کے صلے میں) اس کو جنّت میں داخل فرمائیں گے۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے دو بیٹیوں کی تربیت و پرورش کرنے والے شخص کو روزِ محشر اپنا ساتھی و ہم نشین قرار دیا ہے۔ (بحوالہ مسلم)

بچے کی ولادت کے بعد والدین کے فرائض میں ہے کہ نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہیں۔ اس مبارک عمل کی حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ ایک لحاظ سے تو بچہ شیطانی اثرات سے محفوظ ہوگا اور دوسرے یہ کہ اس کے کان میں جانے والی پہلی آواز میں حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی کا پیغام ہوگا۔ نیز اس سے دنیا کی بے ثباتی کا درس بھی نمایاں ہے۔ آج اگر بچے کے کان میں اذان کہی جا رہی ہے تو کل بوقتِ موت اسے نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا جائے گا۔ گویا کہ اس کی پوری زندگی اتنی ہی ہوگی جتنا کہ اذان اور نماز کا درمیانی وقفہ!

ماں باپ کے فرائض میں سے ہے کہ بچے کی ولادت کے بعد کسی نیک انسان سے تحنیک کروائیں۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بچوں کو حضور ﷺ کی خدمت میں لاتے، انہیں گھٹّی دلواتے اور برکت کی دعا بھی کرواتے۔ بچہ جب سات یوم کا ہو تو اس کا نام رکھا جائے۔ اس ضمن میں یہ امر ملحوظ رہے کہ نام بامعنیٰ ہونا چاہیے۔ مزید برآں، ترجیح یہی ہو کہ یہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام، صحابہ کرام، اہلِ بیت اطہار، ائمہ مجتہدین، محدّثین، مفسّرین، صلحاءِ اُمّت اور علماء و اولیاء کے اسمائے مبارکہ کی مثل ہو۔ کُفّار، منافقین، فساق و فجار، بے دین و بُری شہرت کے حامل خواتین و حضرات کے نام رکھنا ناپسندیدہ ہے۔ اس سلسلے میں ''پرویز'' نام کی وضاحت ضروری ہے۔ یہ نام ایران کے بادشاہ کا تھا جو جناب رسول اللہ ﷺ کا والا نامہ چاک کر کے توہین و گستاخی کا مرتکب ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کے خلاف بددعا فرمائی اور وہ اس بددعا کا مصداق بن کر ہلاک بھی ہوا۔ لہٰذا ایسے ناموں سے اجتناب کیا جائے۔ ساتویں روز ہی بچے کے سر کے بال منڈوا کر اُن کے وزن کے برابر مقدار میں چاندی صدقہ کرنا بھی مستحب ہے۔ اگر استطاعت ہو تو ساتویں روز ہی نومولود کا عقیقہ بھی سُنّت ہے۔ بچی کے لیے ایک بکرا یا بکری جبکہ بچے کے لیے دو حصّے مقرر کیے گئے ہیں۔ عقیقہ ایک طرف اظہارِ مسرت ہے کہ خوشی کے اس موقع پر اقارب و متعلقین کو بھی شریک کیا جائے تو دوسری جانب ایک لحاظ سے یہ صدقہ و خیرات بھی ہے جس سے مصائب اور بلاؤں کا مداوا ہوتا ہے۔

بچے کے حقوق میں اس کی تربیت، نشوونما اور صحت کے حوالے سے تمام امور شامل ہیں۔ مائیں بچوں کو اپنا دودھ پلائیں۔ وقت پر غذا و خوراک کھلانے کا اہتمام کریں۔ والد اخراجات اور دیگر مادی ضروریات کا انتظام کریں۔ بچہ جب بولنا شروع کرے تو اسے سب سے پہلے کلمۂ طیبہ اور اذکار سکھلائیں۔ اس کے بعد اسے اللہ تعالیٰ، رسول اکرم ﷺ، حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ و اہل بیت رضی اللہ عنہم سے متعارف کرایا جائے۔ قرآنی قصص، سیرۃ اور تاریخ کے سبق آموز واقعات سے بچے کے قلب پر ایمانی نقوش ثبت کیے جا سکتے ہیں۔ بچوں پر جائز اور ناجائز، حلال اور حرام، سچ اور جھوٹ کا فرق محض زبانی طور پر ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی واضح کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ترغیب و ترہیب کے انداز اختیار کیے جائیں۔ جنّت اور اُس کی آسائشوں، جہنّم اور اُس کی ہولناکیوں کا تذکرہ بھی بچوں کو راہِ مستقیم پر لانے میں ایک بڑا ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔

بچہ جب سنِ تعلیم کو پہنچے تو اُس کی دینی و دنیوی تعلیم کا بندوبست بھی بہت ضروری ہے۔ اسے کم از کم ناظرہ قرآن کریم اور بنیادی دینی تعلیم دی جائے۔ عصری تقاضوں کے مطابق دنیاوی علوم حاصل کرنا بھی بچے کا حق ہے۔ تعلیم کے لیے ایسے اساتذہ اور اداروں کا انتخاب ضروری ہے جو اسلامی تہذیب و تمدن کے اعتبار سے لائقِ اعتماد ہوں۔ ملحد اور غیر مسلم اساتذہ یا اُن کے زیرِ انتظام ادارے بسا اوقات بچوں کو اپنے ڈھنگ میں ڈھال کر ان کی دینی حمیت و اقدار سلب کر لیتے ہیں۔ بچوں سے ان کا نظریہ اور عقیدہ چھین لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ایسا ماحول بچوں کو بے راہ روی پر ڈال دیتا ہے۔

بچے جب سات سال کے ہوں تو انہیں نماز کی تلقین کرنا اور دس سال کی عمر میں نماز کا عملی طور پر اہتمام کروانا بھی والدین کا ایک اہم فرض ہے۔ لڑکپن کے دور میں بچوں پر نظر رکھنا بہت اہم ہے۔ عموماً اسی عمر میں بچے بنتے یا ضائع ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کے ماحول، مصروفیات، حلقہ احباب، زیرِ مطالعہ لٹریچر سے آگاہ رہنا نہایت ضروری ہے۔ انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کے استعمال کی صورت میں سخت نگرانی کی جائے۔ ان کا غلط استعمال بچوں کے اخلاق و کردار اور تعلیم و تربیت پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔ بچیوں کی صورت میں اس حوالے سے والدین کی ذمہ داری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ طالبات کا اکیلے آنا جانا، نامحرم ٹیوٹر سے خلوت میں پڑھنا، موبائل اور انٹرنیٹ کا آزادی کے ساتھ استعمال ہماری دینی اور معاشرتی اقدار کے سراسر خلاف ہے۔

اپنی اولاد کے ساتھ ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار کرنا بھی نامناسب ہے۔ اسی طرح بلاوجہ شک اور تجسّس کرنا بھی اولاد کے بگاڑ کا سبب بنتا ہے۔ والدین اپنی اولاد سے بھرپور محبّت کریں۔ انہیں محبّت واُنس سے اپنے ساتھ بٹھائیں۔ انہیں مناسب وقت دیں۔ ان کی کوتاہیوں کی صورت میں تنبیہہ کے ساتھ درگزر بھی فرمائیں۔ بچوں پر کسی معقول وجہ کے بغیر ہاتھ اٹھانا' گالم گلوچ کرنا یا اُن کے ساتھ ترکِ کلام کو معمول بنالینا درست طرزِ عمل نہیں۔ یہ بچوں کو بغاوت پر اکساتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹوں کے ساتھ رویّہ لائق اتباع ہے۔ بیٹوں نے اپنے والد کے ساتھ دھوکا کیا اور غلط بیانی سے کام لیا۔ ایذاء وتکلیف دینے کے مرتکب بھی ہوئے۔ اس کے باوجود آپ نے نہ تو انہیں گھر سے نکالا اور نہ ہی بائیکاٹ کیا' بلکہ ہمیشہ اصلاح کی فکر فرمائی۔ بالآخر اولاد راہِ راست پر آ گئی۔

والدین کا ایک اہم فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ بچوں کو مناسب عمر میں رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیں۔ فتنہ کے اس دور میں دیر سے شادیاں معاشرتی بگاڑ کا ایک بڑا سبب ہیں۔ بچیوں کے سلسلے میں خاص طور پر یہ خیال رکھا جائے کہ جب اُن کے لیے موزوں رشتہ کا انتظام ہو جائے اور عمر بھی مناسب ہو تو شادی کر دینی چاہیے۔

والدین مختلف معاملات میں فیصلہ کرتے وقت مساوات اور انصاف سے کام لیں۔ ایک حدیث مبارکہ کی رو سے اسے ظلم قرار دیا گیا ہے کہ اپنی اولاد میں سے کچھ کو نواز دیا جائے اور کچھ کو محروم رکھا جائے۔ یہ طرزِ عمل بھی اولاد کے بگاڑ اور ان کی بغاوت کا سبب بنتا ہے۔ حق تعالیٰ تمام مسلمانوں کی اولاد کو نیک اور صالح فرمائیں۔ آمین! ❁❁❁

جہاد فی سبیل اللہ

اصل حقیقت' اہمیت ولزوم اور مراحل ومدارج

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع خطاب

اشاعت خاص: 60 روپے اشاعت عام: 30 روپے

حیات وخدمات ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
ماہ وسال کے آئینے میں

عبدالمتین مجاہد☆

26 اپریل 1932ء : ولادت بمقام حصار (ہریانہ)' بھارت

1945-46ء : فعال کارکن / جنرل سیکرٹری' مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن حصار ڈسٹرکٹ

1945ء : اقبال کی ملی شاعری اور سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ابتدائی کتابچوں کا مطالعہ

1946ء : یادگار سفر دارالسلام پٹھان کوٹ (انڈیا)۔ دو یا تین یوم قیام کیا۔ فجر کے بعد درس قرآن امین احسن اصلاحیؒ اور نماز ظہر کے بعد درسِ حدیث سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے دیا۔

1946ء : مولانا امین احسن اصلاحیؒ سے پہلی ملاقات۔ بڑے بھائی جناب اظہار احمد قریشی ہمراہ تھے۔

1946ء : اسلامیہ کالج لاہور کے حبیبیہ ہال میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا تاریخی جلسہ ہوا' جس میں قائداعظم نے خطاب فرمایا۔ ضلع حصار کی طرف سے دو طلبہ شریک ہوئے جن میں ایک تحریک پاکستان کے نوجوان کارکن اسرار احمد تھے۔

1947ء : ہنگاموں' فسادات' ہندوؤں کے حملوں کے باعث محصور۔ تفہیم القرآن کا پہلی بار تعارف ہوا۔

☆ قرآن اکیڈمی لاہور' abdulmateenmujahid@gmail.com

1947ء : جولائی میں میٹرک کا نتیجہ نکلا۔ ضلع حصار میں اوّل جبکہ پنجاب یونیورسٹی میں مسلمان طلبہ میں چوتھی پوزیشن۔ 850 میں سے 718 نمبر حاصل کیے۔

1947ء : سلیمانکی ہیڈورکس کے راستے 170 میل کا فاصلہ 20 ایام میں پیدل طے کر کے پاکستان داخل ہوئے۔ 7 نومبر کو پاکستان پہنچے اور ساہیوال منتقل ہوئے۔

1948-49ء : کارکن حلقہ ہمدردان جماعت اسلامی کرشن نگر' لاہور

1948ء : جماعت اسلامی کے زیر اہتمام اغلباً پاکستان میں جو پہلا جلسہ عام موہنی روڈ لاہور پر واقع خالصہ ہائی سکول کے میدان میں ہوا' اس میں پہلی بار مولانا مودودیؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی تقاریر براہ راست سنیں۔

1947-48ء : ایف ایس سی (پری میڈیکل) گورنمنٹ کالج لاہور، پنجاب یونیورسٹی میں چوتھی پوزیشن۔ سکالرشپ حاصل کیا۔

1949-50ء : اسلامی جمعیت طلبہ کا ناظم میڈیکل کالج مقرر کیا گیا۔ درسِ قرآن کی ذمہ داری

1949-54ء : کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں داخلہ۔ فرسٹ ایئر میں دو وظائف تھے۔ اس میں بھی اوّل رہے۔ سال دوم میں میڈیکل کے دوران دو وظائف تھے۔ فعال کارکن اسلامی جمعیت طلبہ۔

1950ء : ساہیوال میں اسلامی جمعیت طلبہ کی طرف سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے اعزاز میں عصرانہ۔ طلبہ کی طرف سے سپاس نامہ مولانا کی خدمت میں پیش کیا' جو خود لکھا اور خود پڑھا۔ ایسی تقریبات میں سپاس ناموں کی روایت ڈاکٹر صاحب نے ہی شروع کی۔

1950ء : اوکاڑہ میں اسلامی جمعیت طلبہ کا علیحدہ اجلاس منعقد کروایا جس میں

پہلی بار سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی موجودگی میں فی البدیہہ تقریر کی۔ اسے مولانا مودودی نے بہت پسند فرمایا اور خوش ہوئے۔ دل کھول کر تحسین فرمائی۔

1951ء : ٹائیفائڈ بخار ہوا جس کی وجہ سے میڈیکل کا پریکٹیکل رہ گیا۔ تحریری پرچوں میں کلاس میں اول پوزیشن تھی، لیکن ستمبر 1951ء میں پورا امتحان دوبارہ دینا پڑا۔ تعلیمی کیریئر کا اپنی نوعیت کا واحد واقعہ ہے۔

1951ء : نومبر میں اسلامی جمعیت طلبہ کی لاہور اور پنجاب کی نظامت

1951ء : اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے سالانہ اجتماع میں خطاب ''ہماری دعوت اور ہمارا طریقہ کار'' کے عنوان سے۔ بعد میں وہ جمعیت کے بنیادی لٹریچر کا حصہ بنا دیا گیا۔

1951ء : تدبر قرآن کے فراہی مکتب سے ابتدائی تعارف

1952ء : جنوری میں ناظم پنجاب، اسلامی جمعیت طلبہ کی حیثیت سے صوبہ بھر کے کالجز اور سکولوں کا طوفانی دورہ

1952ء : فروری میں اسلامی جمعیت طلبہ پنجاب کا سہ ماہی اجتماع برکت علی اسلامیہ ہال، لاہور میں ہوا۔ اس میں ''ہم اور ہمارا کام'' کے عنوان سے خصوصی خطاب فرمایا۔ وہ خطاب بھی اسلامی جمعیت طلبہ کے لٹریچر کا حصّہ بنا۔

1952ء : اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کا سالانہ اجتماع پہلی بار کھلے میدان میں کروایا۔ اس مقصد کے لیے گول باغ، لاہور کا مقام طے ہوا۔

1952-53ء : اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کا ناظم اعلیٰ منتخب کر لیا گیا۔

1953ء : نومبر میں اسلامی جمعیت طلبہ کا سالانہ اجتماع بمقام جہانگیر پارک کراچی زیر صدارت ڈاکٹر عمر حیات ملک منعقد ہوا۔ ''طلبہ کے مسائل اور ان کا حل'' کے عنوان سے ایک گھنٹہ چالیس منٹ خطاب کیا۔ سورۃ آل عمران کے آخری رکوع کا درس بھی دیا۔

1953ء : اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے پندرہ روزہ رسالہ ''عزم'' کا اجرا ہوا۔

1953ء : چھٹیوں میں ساہیوال میں مقامی جماعت اسلامی کے پروگرام میں درس قرآن کی ذمہ داری

1954ء : اکتوبر میں ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کر کے اسلامی جمعیت طلبہ کی رکنیت سے استعفاء دے دیا۔

1954ء : ملتان جیل میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے ملاقات

1954ء : 15 نومبر کو جماعت اسلامی کی رکنیت کی درخواست دی۔

1954-57ء : جماعت اسلامی ساہیوال کی ڈسپنسری میں ملازمت

1955-56ء : امیر جماعت اسلامی منٹگمری (ساہیوال) اور حلقہ اوکاڑہ کی مجلس شوریٰ کی رکن کی حیثیت سے بھرپور کام کیا۔

1955ء : 26 فروری کو رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے۔

1956ء : اکتوبر میں جائزہ کمیٹی کی خدمت میں اپنی تحریر ''تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ'' پیش کی جو دس سال بعد کتابی شکل میں شائع ہوئی۔

1957ء : اپریل میں جماعت اسلامی کی رکنیت سے استعفاء دے دیا۔

1958ء : اپنے اہل وعیال سمیت کراچی منتقلی، پھر 07 ماہ بعد دوبارہ ساہیوال واپسی ہوئی۔

1957-62ء : ذاتی میڈیکل پریکٹس ساہیوال، اور تبلیغی جماعت سے راہ ورسم۔

1962ء : ساہیوال میں اسلامی ہاسٹل ''دار المقامہ'' اور حلقہ مطالعہ قرآن کا قیام اور طلبہ کو منتخب نصاب کا درس دیا۔

1962-65ء : بھائیوں کے ساتھ کاروباری شراکت۔ تین سال کراچی میں گزارے۔ ایک سال ایک ہاؤسنگ سوسائٹی میں واقع مقبول عام ہائی سکول میں ہفتہ وار منتخب نصاب کا درس قرآن دیا۔ پھر 1965ء میں ساہیوال

واپس آ گئے۔

1962ء : والدین کے ساتھ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔

1962ء : رابطہ عالمِ اسلامی کے تاسیسی اجلاس میں مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ کے سیکرٹری کی حیثیت سے تمام مجالس میں باضابطہ شرکت۔ تاسیسی اجلاس کی ایک نشست قصر الملک میں ہوئی۔ شاہ سعود بن عبدالعزیز نے خطاب کیا۔ اس کے بعد ان سے مصافحہ کا شرف بھی حاصل ہوا۔

1962ء : مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ملاقات اور صحبت۔

1965ء : 11 نومبر کو والد محترم کا انتقال ہوا۔ ہیرن روڈ کرشن نگر میں نماز جنازہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے پڑھائی۔

1965ء : کراچی یونیورسٹی سے ایم اے (اسلامیات) فرسٹ پوزیشن سے پاس کیا۔ گولڈ میڈل حاصل کیا۔ یونیورسٹی میں مولانا منتخب الحق قادری اور مولانا افتخار بلخی سے خصوصی کسبِ فیض کیا۔

1965ء : چند ماہ کورنگی میں رہائش کے دوران حضرت مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی اور حضرت مفتی محمد تقی عثمانی سے مصاحبت حاصل رہی۔

1965ء : لاہور منتقلی، قیام حلقہ ہائے مطالعہ قرآن

1966ء : ماہنامہ میثاق کی ادارت سنبھالی۔

1966ء : پروفیسر یوسف سلیم چشتی سے ذاتی ربط و تعلق

1966ء : دارالاشاعت الاسلامیہ لاہور کا قیام

1967ء : کرشن نگر (اسلام پورہ) لاہور میں درس قرآن کے حلقے قائم کیے۔ ایک حلقہ دل محمد روڈ پر ایک ساتھی کے گھر پر قائم تھا۔

1967ء : جون میں رحیم یار خان میں شیخ سلطان احمد اور سردار محمد اجمل خان کے ساتھ طویل گفتگو اور بعد میں ایک قرارداد پر دستخط

1967ء : 8-7 ستمبر کو رحیم یار خان میں تنظیم اسلامی کا تاسیسی اجلاس ہوا۔ اس میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ، مولانا عبدالغفار حسنؒ شامل تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے قرارداد پیش کی جو منظور ہوئی۔

1968ء : جنوری میں درس قرآن کا باقاعدہ آغاز سمن آباد لاہور سے ہوا۔

1970ء : دوران ماہ رمضان المبارک مدینہ منورہ میں قیام۔ پھر انگلستان میں زیر تعلیم چھوٹے بھائی ابصار احمد کی دعوت پر لندن جانا ہوا۔ یہ دو ہفتے کا سیاحتی اور دعوتی دورہ تھا۔ برمنگھم میں پروفیسر خورشید احمد اور دوسرے احباب سے ملاقات بھی ہوئی۔

1971ء : حج بیت اللہ کی سعادت اور میڈیکل پریکٹس کو خیر باد

1972ء : مارچ میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی تاسیس

1972ء : مسجد خضرا، سمن آباد لاہور میں دوبارہ منتخب نصاب کا درس دیا۔ پہلے بھی ایک بار مکمل کر چکے تھے۔

1973ء : مرکزی انجمن خدام القرآن کی سالانہ قرآن کانفرنسوں کا آغاز ہوا۔

1974ء : مسجد شہداء، مال روڈ، لاہور میں درس قرآن مجید کا آغاز ہوا۔

1975ء : موسم گرما میں مسلم ماڈل ہائی سکول، اردو بازار میں 21 روزہ قرآنی تربیت گاہ منعقد ہوئی جس کے اختتام پر تنظیم اسلامی کا باضابطہ قیام عمل میں آیا۔ 12 افغانی روڈ، سمن آباد لاہور میں تاسیسی اجتماع منعقد ہوا۔ 103 افراد کی شرکت اور 62 افراد نے عہد رفاقت کا مرحلہ طے کیا۔ ڈاکٹر صاحب کو امیر منتخب کیا گیا۔

1976ء : سنگ بنیاد قرآن اکیڈمی لاہور

1976ء : 27-25 مارچ تنظیم اسلامی کا پہلا سالانہ اجتماع۔ رفقاء کی تعداد 72

1977ء : اگست، تنظیم اسلامی کی رکنیت کے لیے بیعت کی اساس اختیار کرنے کا فیصلہ

1977ء : مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی قرآن اکیڈمی آمد

1978ء : مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ المعروف علی میاں قرآن اکیڈمی تشریف لائے۔ بیسمنٹ میں واقع عارضی جامع القرآن (موجودہ لائبریری) میں خطاب فرمایا۔

1979ء : پہلا تبلیغی دورہ امریکہ۔ جناب قاضی عبدالقادر ہمراہ تھے۔

1979ء : 22 ستمبر کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا امریکہ میں انتقال۔ ان کے بیٹے ڈاکٹر احمد فاروق کے گھر نماز جنازہ پڑھائی۔

1980ء : تنظیم اسلامی شمالی امریکہ (T.I.N.A) قائم ہوئی۔

1980ء : اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ کی دعوت پر امریکہ اور کینیڈا کے دعوتی دورے۔

1980ء : بفلو (امریکہ) کا دوسرا سفر۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے صاحب زادے ڈاکٹر احمد فاروق سے تفصیلی ملاقات۔ متعدد تبلیغی و دعوتی پروگراموں میں خطاب۔

1980ء : سالانہ محاضرات کا انعقاد

1980ء : 4 تا 17 فروری انڈیا کا دورہ۔ لکھنؤ میں تین روز قیام۔ مولانا منظور احمد نعمانیؒ سے ملاقات۔ دارالعلوم ندوۃ میں مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے ملاقات۔ تکیہ شاہ علم اللہ کی خانقاہ میں تین سو سال پرانی مسجد میں ایک دن قیام کیا۔ علی گڑھ میں پانچ یوم قیام۔ مولانا جلال الدین انصر عمری (امیر جماعت اسلامی ہند)، مولانا تقی امینی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا محمد امین اثری سے ملاقات۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں جلسے سے خطاب۔ کانپور میں ایک دن قیام۔ 4 یوم دہلی میں۔ مولانا وحید الدین خان سے تفصیلی ملاقاتیں۔ ان کے گھر قیام۔ جماعت اسلامی ہند کے مرکزی دفتر میں عصر تا مغرب اور مغرب تا عشاء

دروس قرآن۔ جامع مسجد دہلی میں نماز جمعہ۔ اپنی جائے پیدائش حصار تشریف لے گئے۔ آبائی گھر دیکھا۔ سکول بھی دیکھا۔ دہلی سے بذریعہ ٹرین اٹاری آئے۔ براستہ واہگہ پاکستان واپسی۔

1980ء : 19 مارچ کو دوسرا دورۂ انڈیا، دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات میں شرکت کے لیے حاضری۔

1981ء : اپریل 1981ء تا جون 1982ء پی ٹی وی پر ''الہدیٰ'' پروگرام نشر ہوا۔

1981ء : 14 اگست 1981ء کو ''ستارہ امتیاز'' دیا گیا۔

1981ء : پی ٹی وی کے پروگرام ''الکتاب'' میں خطاب کا آغاز

1981ء : دورۂ بھارت۔ مدارس میں سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر 6 لیکچرز دیے۔

1982ء : وفاقی کونسل، وفاقی مجلس شوریٰ میں شمولیت

1982ء : مئی میں وفاقی کونسل، وفاقی مجلس شوریٰ سے مستعفی

1982ء : امریکہ اور کینیڈا کا چالیس روزہ دعوتی و تبلیغی دورہ

1983ء : تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کا قیام۔ اس موقع پر 19 خواتین نے بیعت کی۔

1983ء : 15 روزہ دورۂ حجاز مقدس۔ ملک عبدالعزیز یونیورسٹی، جدہ کی جامع مسجد میں درس قرآن۔ جدہ مسجد میں ''قوانین اسلام اور خواتین کا مقام'' کے موضوع پر خطاب۔

1984ء : قرآن اکیڈمی، لاہور میں دو سالہ کورس کے اجراء کا اہتمام کیا گیا، جس کا نام رجوع الی القرآن کورس رکھا گیا۔

1984ء : شمالی امریکہ اور لندن کا تبلیغی دورہ

1984ء : رمضان المبارک میں تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کا آغاز

1984ء : تبلیغی دورۂ بھارت کے دوران 14 اپریل کو حیدرآباد دکن میں مولانا ابوالکلام آزاد انسٹی ٹیوٹ میں خطاب کیا۔

1985ء : متحدہ عرب امارات کے دورے پر ''الکرامۃ'' کے مقام پر خطاب فرمایا۔

1985ء : قرآن اکیڈمی لاہور میں شعبہ حفظ قرآن کا آغاز کیا گیا۔

1985ء : جامعہ رحیمیہ دہلی انڈیا میں مولانا اخلاق حسین قاسمیؒ نے دستار فضیلت عطا فرمائی۔

1986ء : ناروے ڈنمارک اور سویڈن کا دعوتی دورہ

1986ء : انجمن خدام القرآن سندھ کراچی اور انجمن خدام القرآن راولپنڈی کا قیام

1986ء : امریکہ کا دعوتی دورہ اور سعودی عرب میں حج کی سعادت

1986ء : 9 مئی کو قرآن کالج لاہور کی تاسیس کی گئی۔

1987ء : متحدہ عرب امارات لندن اور سعودی عرب کے دعوتی و تبلیغی دورے

1987ء : قرآن کالج لاہور کا قیام

1987ء : اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ کی دعوت پر امریکہ کا تبلیغی دورہ

1987ء : 14 نومبر تا 29 دسمبر لندن برمنگھم ڈارون ٹاؤن کا دعوتی و تبلیغی دورہ

1988ء : جنوری میں قرآن اکیڈمی میں شعبہ خط کتابت کورسز کا آغاز کیا گیا۔

1988ء : 14-15 ستمبر قرآن اکیڈمی لاہور میں آل پاکستان تنظیم اسلامی طلبہ کنونشن کا انعقاد ہوا۔

1989ء : قرآن کالج میں ایف اے کی کلاسز کا اجراء

1989ء : انجمن خدام القرآن کوئٹہ کا قیام

1989ء : بھارت کا دعوتی و تبلیغی دورہ

1990ء : لاس اینجلس (امریکہ) کے مضافات میں واقع اورنج کاؤنٹی کے

اسلامک سنٹر میں سیرت کانفرنس میں شرکت فرمائی۔ سانتا کلارا (سان فرانسسکو) میں درس قرآن اور احباب سے خطاب فرمایا۔

1990ء : انجمن خُدّام القرآن فیصل آباد اور انجمن خُدّام القرآن ملتان کا قیام

1990ء : 21 اپریل کو مرکزیہ مجلس اقبال کی تقریب سے خطاب کیا۔

1990ء : 15 جون برمنگھم کی ایک عظیم الشان مسجد میں نماز جمعہ پڑھائی۔

1990ء : 22 جون کو سپین کے ساحل پر واقع شہر نرخا میں نماز جمعہ سے پہلے انگریزی میں خطاب فرمایا۔

1990ء : دورۂ سپین کے دوران 24 جون کو Islamic History of Spain کے موضوع پر مقالہ پڑھا۔

1990ء : 29 جون کو لندن کے شمال میں واقع ڈیوز بری میں جمعہ ادا کیا۔

1990ء : فرانس میں 4 دن گزارے اور تین تقاریر پیرس میں کیں۔ پیرس سے جنوب مشرق کی طرف لیون وہ آخری مقام ہے جہاں تک عربوں کے قدم پہنچے اس کی زیارت کرنا تھی۔

1990ء : اگست میں امریکہ کا دورہ۔ انٹرنیشنل سیرت کانفرنس میں شرکت۔ اسلامی سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (ISNA) کے سالانہ کنونشن میں شرکت۔

1990ء : دعوتی و تبلیغی دورہ سعودی عرب متحدہ عرب امارات۔

1990ء : سنگاپور میں تبلیغی دورہ و خطابات۔ ملائیشیا میں ادارہ ABIM میں نومسلموں سے خطاب۔ ملائیشیا ٹیلی ویژن کے لیے پندرہ پندرہ منٹ کے چھ chunks ریکارڈ کروائے۔

1990ء : 4 نومبر کو قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں ''اسلام کا معاشی نظام'' کے موضوع پر مفصّل خطاب کیا۔

1990ء : دسمبر پیرس میں تین دن مختصر قیام۔ پہلے دن ''فرائض دینی کا جامع تصوّر'' اور دوسرے دن ''منہجِ انقلابِ نبویؐ'' پر جامع خطاب فرمایا۔

1991ء : قرآن اکیڈمی‘ ڈیفنس کراچی میں دورہ ترجمہ قرآن کروایا۔

1991ء : 28 ستمبر کو مجلس اتحادِ ملّت‘ حیدر آباد دکن کی دعوت پر انڈیا تشریف لے گئے۔ وہاں ’’رحمۃ للعالمین ﷺ سیرت کانفرنس‘‘ سے خصوصی خطاب فرمایا۔

1991ء : مردان میں قاضی حسین احمد صاحب اور مہتمم تقویۃ الایمان سے ملاقات

1991ء : 24 جولائی کو پشاور پریس کلب میں ملک کی صورت حال پر خطاب

1991ء : 30 جولائی کو روزنامہ ’’فرنٹیئر پوسٹ‘‘ پشاور کو تفصیلی انٹرویو دیا۔

1991ء : 3 اگست کو پریس کلب‘ کوئٹہ میں مفصل خطاب فرمایا اور سوال وجواب کی نشست ہوئی۔ اہم شخصیات سے ملاقات۔

1991ء : اگست میں ملائیشیا‘ سنگاپور کا دوسرا دعوتی وتحریکی سات روزہ دورہ کیا اور مختلف مقامات پر خطاب فرمایا۔

1991ء : 9 نومبر کو قرآن آڈیٹوریم میں درس قرآن مجید کی تکمیل۔ 17 برس پہلے آغاز کیا۔

1991ء : خلافت کانفرنسیں اور تحریک خلافت پاکستان کے قیام کا اعلان

1991ء : فریضہ حج کی سعادت کے لیے حجاز مقدس کا سفر

1991ء : دینی مرکز الجمعیۃ الاسلامیہ میں خطاب

1992ء : والدہ محترمہ کا انتقال 31 اکتوبر کو اور تدفین یکم نومبر کو ہوئی۔

1992ء : انجمن خدام القرآن پشاور کا قیام

1992ء : 7 روزہ دعوتی دورہ ترکی۔ اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ کے کنونشن میں خطاب۔ چھوٹے بھائی مدیر ’ندا‘ (بعد ازاں ’ندائے خلافت‘) اقتدار احمد ہمراہ تھے۔

1993ء : متحدہ عرب امارات کا تبلیغی دورہ

1994ء : منتخب نصاب کا درس انگلش زبان میں امریکہ میں ایک ماہ پر مشتمل

تربیت گاہ ٹی نک (نیوجرسی) میں ہوا۔ سراج الحق سید اور ڈاکٹر ابصار احمد ہمراہ تھے۔

1994ء : امریکہ سے واپسی پر حزب التحریر کی دعوت پر عالمی احیاء خلافت کانفرنس (ومبلے ہال) لندن میں شرکت اور بھرپور خطاب۔

1995-96ء : انگریزی زبان میں دورہ ترجمہ قرآن مسلم سنٹر آف نیویارک‘ امریکہ

1995ء : پہلی عالمی احیاء خلافت کانفرنس اقبال پارک‘ لاہور میں منعقد کروائی

1996ء : چھ روزہ دورہ ایران۔ محمد رشید ارشد ہمراہ تھے۔ مذہبی راہنما آیت اللہ خامنہ ای سے ملاقات۔

1997ء : آئین پاکستان کو اسلامی بنانے کے لیے تکمیل دستور اسلامی کی بھرپور مہم کا آغاز۔ لاکھوں افراد نے بذریعہ ڈاک مجوزہ ترامیم کا خاکہ حکومت کو بھجوایا۔

1997ء : دورۂ بنگلہ دیش۔ امیر جماعت اسلامی بنگلہ دیش جناب غلام اعظم سے ملاقات۔

1997ء : 23 فروری کو میاں محمد شریف‘ نواز شریف‘ شہباز شریف اور عباس شریف کی قرآن اکیڈمی آمد‘ تفصیلی ملاقات۔

1997ء : 19 مئی کو میاں شریف، وزیر اعظم میاں نواز شریف‘ وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف اور عباس شریف کی قرآن اکیڈمی ایک بار پھر آمد اور تفصیلی ملاقات۔

1997ء : 24 مئی کو اسلام آباد میں ڈاکٹر اسرار احمد کی قیادت میں تنظیم اسلامی کے وفد کی وزیر اعظم نواز شریف سے ملاقات۔ یادداشتیں پیش کیں۔

1997ء : سابق وزیر اعظم آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم کی ملاقات۔

1998ء : انجمن خدام القرآن سرگودھا اور انجمن خدام القرآن جھنگ کا قیام

1998ء : قرآن اکیڈمی کراچی میں دورۂ ترجمہ قرآن کی ڈیجیٹل ریکارڈنگ کا اہتمام

1998ء : طویل مشاورتی عمل کے بعد حافظ عاکف سعید کو تنظیم اسلامی میں اپنا جانشین مقرر کیا۔

1998ء : امریکہ میں گھٹنوں کا آپریشن ہوا۔

1998ء : متحدہ اسلامی انقلابی محاذ کا قیام اور پہلے صدر مقرر ہوئے۔ یہ تنظیم الاخوان پاکستان' اہلِ حدیث پاکستان' تحریک اسلامی پاکستان اور تنظیم اسلامی پاکستان پر مشتمل اتحاد تھا۔

1999ء : وزیراعظم میاں نواز شریف کی جانب سے علماء کمیٹی کے چیئرمین مقرر

1999ء : انگلینڈ' سکاٹ لینڈ اور ناروے کے دعوتی دورے

1999ء : قرآن آڈیٹوریم لاہور میں درس قرآن کی تکمیل

2000ء : پی ٹی وی کے ''حقیقت دین'' پروگرام میں خطاب

2000ء : عمرہ کی سعادت کے لیے حجاز مقدس کا سفر

2000ء : نیویارک میں رمضان المبارک کے دوران دورۂ ترجمہ قرآن بزبان انگریزی

2000ء : جماعت اسلامی پاکستان کے سالانہ اجتماع عام' قرطبہ سٹی اسلام آباد میں شرکت اور مختصر خطاب۔

2001ء : ایک روزہ انٹرنیشنل خلافت کانفرنس کا انعقاد (ایوان اقبال لاہور)

2001ء : طالبان حکومت کی دعوت پر دورۂ افغانستان۔ امیر المومنین مُلّا محمد عمر مجاہد سے ملاقات۔

2002ء : جملہ عوارض اور خرابی صحت کی وجہ سے تنظیم اسلامی کی امارت سے سبکدوشی

2003ء : شمسی ویلفیئر سوسائٹی کی دعوت پر 7 روزہ دورۂ بنگلہ دیش

2004ء : نومبر میں IRF کے صدر ڈاکٹر ذاکر نائیک کی دعوت پر دورۂ بھارت

2007ء : لندن کے اسلام چینل کی دعوت پر لندن کانفرنس میں شرکت

2008ء : جولائی میں قرآن کالج لاہور کی ہیئت تبدیل کر کے کُلّیۃ القرآن

کا قیام عمل میں لایا گیا۔ وفاق المدارس سے الحاق کیا گیا۔ درس نظامی (آٹھ سالہ کورس)۔ ایم اے اسلامیات' عربی کی علیحدہ کلاسز کا اہتمام بھی۔

2009ء : جنوبی افریقہ کا دعوتی و تبلیغی دورہ۔ کئی اہم مقامات پر خطاب فرمایا۔ ڈاکٹر عارف رشید ہمراہ تھے۔

2010ء : 13-14 اپریل کی درمیانی رات کو انتقال ہوا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

آخری ایّام (2010ء)

14 فروری تا 14 مارچ : سیرت خیرالانام ﷺ کے موضوع پر پانچ اہم ترین خطاب بمقام قرآن آڈیٹوریم' لاہور۔

5 مارچ : اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان' جامعہ پنجاب کی دعوت پر سیرت النبی ﷺ پروگرام میں ''نبی کریم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' کے موضوع پر فیصل آڈیٹوریم میں مفصل خطاب۔ زیرِ صدارت وائس چانسلر جامعہ پنجاب' لاہور۔

11 مارچ : فیصل آباد میں مختلف پروگرام اور ملاقاتیں اور دو دن بعد واپسی

16 مارچ : لاہور پریس کلب میں عالمی حالات' دہشت گردی' امریکی بدمعاشی اور حالات حاضرہ کے موضوع پر خطاب

17 مارچ : قرآن اکیڈمی ملتان میں نماز عشاء کے بعد ''دجّال اور دجّالیت کی حقیقت: قرآن و حدیث کی روشنی میں'' کے موضوع پر دو گھنٹے کا مفصّل خطاب

19 مارچ : حیدرآباد میں Hi-Speed موٹر سائیکل کمپنی میں خطاب۔ جمعۃ المبارک میں ''ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ'' کے موضوع پر خطاب

20 مارچ : شادمان مسجد' کراچی میں نماز عشاء کے بعد سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر دو گھنٹے کا خطاب۔ 3 ہزار کے قریب مرد و خواتین کی شرکت۔

22مارچ : زید حامد سے قرآن اکیڈمی لاہور میں ملاقات

22مارچ : قرآن آڈیٹوریم لاہور میں پاکستان کریسنٹ فرنٹ کے زیر اہتمام سیمینار میں خطاب بعنوان: علّامہ اقبال کا تصوّر ریاست اور مغربی جمہوریت۔

27مارچ : بدھ مت مذہب کے رہنما و پیشوا سے قرآن اکیڈمی میں ملاقات

3اپریل: : انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کی مجلس جاویدان اقبال اور شعبہ فلسفہ کے طلبہ سے قرآن اکیڈمی لائبریری میں ڈیڑھ گھنٹہ پر محیط تعارف اور سوال و جواب کی نشست

4تا16اپریل : فیصل آباد میں اُمراء تنظیم اسلامی کی تربیت گاہ میں شرکت اور دروس

9اپریل : قرآن اکیڈمی لاہور کی مسجد جامع القرآن میں خطاب جمعہ ارشاد فرمایا۔

10اپریل : فیصل آباد میں دوبارہ آمد‘ امراء تربیت گاہ میں اختتامی دعا اور سوال و جواب کی نشست اور لاہور واپسی۔

13-14اپریل کی

درمیانی شب : دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون!

14اپریل : بروز بدھ بعد نماز عصر ماڈل ٹاؤن کے سنٹرل پارک میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب نے امامت کے فرائض سرانجام دیے۔ K بلاک‘ ماڈل ٹاؤن کے قبرستان میں تدفین کی گئی۔

❁❁❁

اپنے ذاتی اوقات میں سے کم از کم نصف گھنٹہ نکال کر
’’بیان القرآن‘‘ کے ترجمہ و ترجمانی کا ضرور مطالعہ کریں‘
آپ یقیناً مستفید ہوں گے۔(ان شاء اللہ!)

May 2021
Vol.70

Regd. CPL No.115
No.5

Monthly Meesaq Lahore

داعیٔ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کی چند فکر انگیز تالیفات

قرآنِ حکیم اور ہم
قرآن حکیم کی عظمت و تعارف اور حقوق و مطالبات جیسے علمی و عملی موضوعات پر 8 کتابوں کا مجموعہ
اشاعت خاص 600 روپے، اشاعت عام 350 روپے

رسولِ اکرم ﷺ اور ہم
عظمت مصطفیٰ ﷺ، مقصد بعثت، اسوۂ رسول ﷺ اور سیرت نبویؐ کے انقلابی پہلوؤں پر مشتمل مقالات کا مجموعہ
اشاعت خاص 600 روپے، اشاعت عام 350 روپے

منہجِ انقلابِ نبوی ﷺ
سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے مراحل و مدارج اور لوازم
مجلد 500 روپے، غیر مجلد 300 روپے

سیرتِ خیرُ الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام
سیرت مطہرہ کے دل پذیر موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی زندگی کے آخری خطابات کا مجموعہ
صفحات 240، قیمت 180 روپے

توحیدِ عملی
سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ کی روشنی میں
اشاعت خاص 225 روپے، اشاعت عام 150 روپے

حقیقت و اَقسامِ شرک
شرک کی حقیقت، اقسام اور دور حاضر کے شرک سے واقفیت کے لیے مطالعہ کیجیے
اشاعت خاص 125 روپے، اشاعت عام 70 روپے

سُورۃُ الحَدید
(اُمُّ المُسَبِّحات) کی مختصر تشریح
اشاعت خاص 300 روپے، اشاعت عام 150 روپے

خلافت کی حقیقت
اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام
خلافت کی حقیقت، تاریخی پس منظر، عہد حاضر میں اس کا ڈھانچہ اور اس کے قیام کے نبویؐ طریق پر مشتمل
اشاعت خاص 200 روپے، اشاعت عام 180 روپے

مکتبہ خدام القرآن
36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
فون 3-35869501(042)
ای میل maktaba@tanzeem.org ویب سائٹ www.tanzeem.org